اردو

۱۳۲

جلد ۹ — جولائی سنہ ۱۹۲۹ع — حصہ ۳۵

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

کا

سہ ماہی رسالہ

یادگار مولانا شرر مرحوم

دو سالانہ انعام

زبان اُردو کے محسن مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شرر مرحوم کی یادگار میں جناب مولوی عبدالحق صاحب بی۔اے' سکرٹری انجمن ترقی اُردو' اور جناب مولوی سید ہاشمی صاحب رکن دارالترجمہ نے حسبِ ذیل دو سالانہ انعام دینے کا فیصلہ کیا ہے —

(۱) "عطائے عبدالحق"

رسالۂ اُردو کے سال بھر کے مضامین نثر میں اول درجے کے سب سے اچھے مضمون پر ۱۲۵ روپیہ کلدار کا انعام جناب مولوی عبدالحق صاحب بی۔اے' عطا فرمائیں گے —

(۲) "عطیۂ ہاشمی"

کے نام سے دوسرا انعام ۱۰۰ روپیہ کلدار کا' مولوی سید ہاشمی صاحب اُن صاحب کی نذر کریں گے جن کی نظم رسالۂ اُردو کے سال بھر کی نظموں میں سب سے اچھی اور اعلیٰ درجے کی ہوگی —

ہر سال کے اخیر مہینے میں جو حضرات اہل سمجھے جائیں گے اُن کی خدمت میں رقم ارسال کر کے رسالے میں اس کا اعلان ہوتا رہے گا۔ انعام کی اہلیت کا فیصلہ صرف معطیان کی متفقہ رائے پر منحصر ہو گا —

المعــــــــــــــلن

مدیر رسالۂ اُردو اورنگ آباد دکن

سائنس

انجمن ترقی اُردو کا سہ ماہی رسالہ

جس کا مقصد یہ ہے کہ سائنس کے مسائل اور خیالات کو اردو دانوں میں مقبول کیا جائے ، دنیا میں سائنس کے متعلق جو نئی بحثیں یا ایجادیں اور اختراعیں ہو رہی ہیں یا جو جدید انکشافات وقتاً فوقتاً ہونگے ، ان کو کسی قدر تفصیل سے بیان کیا جائے - ان تمام مسائل کو حتی‌الامکان صاف اور سلیس زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی - اس سے اردو زبان کی ترقی اور اہل وطن کے خیالات میں روشنی اور وسعت پیدا کرنا مقصود ہے —

یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان کے سائنس دانوں کے علاوہ یورپ کے فضلا نے بھی اس رسالے میں مضمون لکھنا منظور فرمایا ہے - اس رسالے میں متعدد بلاک بھی شائع ہوا کریں گے —

سالانہ چندہ آٹھ روپے سکۂ انگریزی (نو روپیہ چار آنے سکۂ عثمانیہ) —

امید ہے کہ اردو زبان کے بہی خواہ اور علم کے شائق اس کی سرپرستی فرمائیں گے —

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

فہرستِ مضامین

خطبات گارسان دتاسی

ساتواں خطبہ ۳ دسمبر سنہ ۱۸۵۶ ع

(مترجمۂ جناب محمد عبدالباسط صاحب بی-اے)

(انگریزی سے اُردو میں مولوی سید وہاج الدین صاحب نے ترجمہ کیا)

حضرات! ہمارے گزشتہ جلسے کے انعقاد کے بعد، ہندوستان کی ایک ایسی سلطنت میں جہاں تمام تر ہندوستانی زبان ہی بولی جاتی ہے، ایک نہایت اہم واقعہ پیش آیا ہے - اور وہ یہ ہے کہ اس زمانے میں ہندوستان کی انگریزی حکومت نے سری رامچندرجی کی گدی کے مالک اودھ (قدیم اجودھیا) کے فرمانروا اعلی حضرت واجد علی شاہ کو تخت سے اُتاردیا ہے- مجھے اس موقع پر اس خالص سیاسی انقلاب پر تبصرہ یا بحیثیت بادشاہ کے واجد علی کی اچھائیوں یا برائیوں سے بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اتنا ضرور ہے کہ مجھے واجد علی شاہ کے ساتھ اس وجہ سے کسی قدر دلچسپی ہے کہ وہ ایک ممتاز ادیب اور بلند پایہ شاعر ہیں، 'اختر' ان کا تخلص ہے، اور وہ آج کل ہندوستان کے آسمان شاعری کے چند درخشاں ستاروں میں سے ہیں، میں اس سے پہلے دوسرے موقعوں پر آپ سب کے سامنے ان کی تصنیفات اور نتائج افکار کا ذکر کرچکا ہوں - وہ اپنے خاندان کے شاہان سلف کی روایتوں کے حامل اور تخت و تاج کے ایک لائق وارث ہیں- ان کا سارا خاندان ہندوستانی ادبیات کا محسن تھا، اور اس کے اکثر افراد خود بھی ادبی ذوق رکھتے تھے - صفدر جنگ، شجاع الدولہ، آصف الدولہ، جو ہندوستانی زبان کے شاعر تھے اور 'آصف' تخلص کرتے تھے- ، سعادت علی خاں، غازی الدین حیدر، جو مشہور فارسی

لغت هفت قلزم کے مؤلف تھے ' اور جن کی کتاب کا یہ نام اس وجہہ سے ہوا کہ اس میں سات ابواب ہیں - نصیرالدین حیدر ' ناصرالدولہ ' اور خود واجد علی شاہ معزول کے والد امجد علی شاہ ' ان سب کے احسانات ہندوستانی ادبیات پر ہیں - واجد علی کو ایسی شریف اور با ہمت ملکہ کے بیٹے ہونے کا شرف حاصل ہے ' جس نے اگر چہ اپنی عمر میں کبھی سمندر نہ دیکھا تھا ' اور جہاز کا نام تک نہ سنا تھا لیکن محض اپنی نسل کے حقوق کی حفاظت کے لئے سات سمندر پار کا سفر کیا ' اور انگلستان پہنچ کر حکومت کے اس طرز عمل کے خلاف احتجاج کیا - جس کا شکار ان کا بیٹا واجد علی بنایا گیا تھا —

اس تمہید کے بعد اب میں اپنے سالانہ خطبے کے موضوع کی طرف متوجہ ہوتا ہوں' یعنی ہندوستان کی اس ادبی تحریک کا بیان جو ہندوستانی زبان کے توسط سے ہوی ہے - میں نے کسی موقع پر ہندوستانی زبان کو فرانسیسی کی بہن • کہا ہے لیکن دراصل وہ اس کی خالہ‌زاد بہن ہے' جس طرح اطالوی † زبان فرانسیسی کی خالہ زاد بہن ہے ' اور سنسکرت لاطینی کی بہن اور " ہندوستانی " یا " ہندی " یا " جدید ہندوستانی " کی ماں ہے —

حضرات ! لفظ " ہندوستانی " جیسا کہ میں متعدد بار آپ سے عرض کرچکا ہوں ' اسم جنس ہے اور اس سے ہندوستان کی اور خصوصاً ممالک مغربی و شمالی اور پنجاب کی زبان مرادلی جاتی ہے - اُردو جسے کسی قدر فارسی آمیز اور عربی آمیز ہندوستانی کہنا چاھئے' تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی زبان ہے' اوران کی راجدھانیوں مثلاً دھلی ' آگرہ ' لکھنؤ اور حیدرآباد میں نہایت کھری اور خالص شکل میں بولی جاتی ہے - ہندی کو ہندووں کی ہندوستانی کہنا چاھئے اور یہ زیادہ تر سنسکرت

• ملاحظہ ہو میرے خطبۂ افتتاحیہ بابت سنہ ۱۸۵۴ء کا آخری پیراگراف' (مصنف)

† ملاحظہ ہو میکس مولر (Max Muller) کی کتاب (ہدایات دربارۂ تحصیل السنہ) Suggestions in learning the language کا صفحہ ۹- (مصنف)

لفظوں سے ' خواہ خالص ہوں یا مخلوط ' بھری ہوی ہے - ہندی کے لئے عام طور پر دیوناگری رسم الخط استعمال کیا جاتا ہے - جس کے معنے ہیں دیوتاؤں کی تحریر اور جسے عرف عام میں محض ناگری کہتے ہیں - لیکن اس کے علاوہ ہندو دوسرے رسم الخط بھی استعمال کرتے ہیں مثلاً کایتھی اور صرافی ' جو دونوں کی دونوں ناگری کی بگڑی ہوی شکلیں ہیں - صرافی رسم الخط متھرا ' علی‌گڈھ اور مین پوری کے اضلاع کی ہندی تحریر میں استعمال کیا جاتا ہے - آگرے میں ناگری مدرسوں کی تعداد کایستھی سے کسی قدر زیادہ ہے ' لیکن دوسرے اضلاع میں زیادہ تر کایستھی ہی کا استعمال ہوتا ہے - کایستھی تحریر کو کایتھی ناگری بھی کہتے ہیں ' یعنی کایتھوں کی تحریر - کایتھہ ' مقامی بولی میں کایستھہ کو کہتے ہیں' یعنی وہ ذیلی ذات جس میں محرر داخل ہیں ' مثلاً پٹواری وغیرہ - صرافی رسم الخط کا دوسر نام مہاجنی ہے ' اور اس کا استعمال زیادہ تر مہاجنوں اور صرافوں میں ہوتا ہے - یہ رسم الخط صرف تجارتی بیوپار کے لئے مخصوص ہے اور ایک قسم کے آنکڑوں میں لکھا جاتا ہے جسے صرف جاننے والے ہی سمجھہ سکتے ہیں لیکن اگر کوی شخص ناگری حروف تہجی سے تھوڑا بہت واقف ہوتو اس کو صرافی کا حرف شناس بننے میں کچھہ زیادہ دقت نہ ہوگی - ہاں ایک ایسے ہندیات * کے ماہر کو جس نے بجز خوش‌نما ' اور نوک پلک سے درست سنسکرت تحریر کے اور کچھہ نہ پڑھا ہو ' دیہات کے بنئے † کی بد خط کھسیٹ پڑھنے میں البتہ بہت دقت ہوگی -

اُردو کی خوش‌خط تحریروں میں عام طور پر " نستعلیق " کا استعمال ہوتا ہے جو دو لفظوں نسخ اور تعلیق سے مرکب ہے - معمولی اُردو تحریروں میں زیادہ تر " شکستہ " کا استعمال ہوتا ہے - خود اس لفظ " شکستہ " ہی سے اس کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ تحریر کتنی بے احتیاطی کے ساتھہ ہوتی ہوگی -

---

* معلومات متعلق ہندوستان' جیسے مصریے مصریات (مترجم—)

† ملاحظہ ہو H. S. Reid. Report. Agra, pp. 69 and 70 (مصنف)

سنہ ۱۸۴۴ ع میں ممالک مغربی و شمالی اور پنجاب میں ہندیوں کے ۳۷ مطبع اور ۳۳ رسالے وغیرہ تھے - رسالوں کی اشاعت ۲۲۱۶• تک پہنچ گئی تھی۔ اخباروں اور رسالوں میں سب سے زیادہ مقبول اور کثیرالاشاعت لاہور کا اردو اخبار "کوہ نور" تھا، لیکن اس کے خریداروں کی تعداد بھی ۳۴۹ سے زیادہ نہ تھی! اس کے ایڈیٹر ہرسکھہ رائے تھے دو مطبع کوہ نور کے مالک بھی تھے - میں اس موقع پر اُن اخبارات کا ذکر نہیں کر رہا ہوں جو سال زیر بحث میں انگریزی زبان میں نکلتے تھے - اگر ان کی تعداد بھی دیسی زبانوں کے رسالے اور اخبارات میں شریک کردی جائے، تو اس سال سب کی اشاعت مل کر ایک لاکھہ باسٹھہ ہزار چار سو آٹھہ ہوجاتی ہے - یعنی پچھلے سال کی اشاعت سے اٹھاون ہزار سات سو ترانوے زیادہ، اس لئے کہ پچھلے سال کی تعداد صرف ایک لاکھہ تین ہزار چھہ سو پندرہ تھی ا —

جن مطبعوں کا میں نے ذکر کیا ہے، ان میں سال زیر بحث کے اندر اخباروں اور رسالوں کے علاوہ دو سو سات کتابیں مشرقی زبانوں میں چھپ چکی ہیں۔ سنہ ۱۸۵۵ ع کے متعلق میرے پاس صحیح اعداد موجود نہیں ہیں، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ پچھلے سالوں کی طرح اس سال بھی کتابوں کی اچھی خاصی تعداد شائع ہوی ہے - غالباً ان کتابوں میں انگریزی زبان کی خالص ادبی تصانیف کے ترجمے بھی شامل ہیں۔ انگریزی زبان کی ادبی تصانیف کے جو ترجمے آئندہ کئے جائیں گے، وہ مستحق تعریف ضرور ہوں گے، لیکن اس شرط پر کہ وہ کوئی ایسی ترمیم یا اصلاح نہ کریں جس سے اردو ادبیات کی خصوصیت میں کوئی تبدیلی

• ملاحظہ ہو Allen's Indian mail' No of August 16th 1836. (مصنف)

' Alliens Indian Mail' 31st July 1856. (مصنف)

یا کمی واقع ہوجاے، بقول ملٹن "اتنے زیادہ نفس مذاق نہ بنو کہ غیر یقینی برائیوں کا فیشن ہوجاے" —

چند ہفتے ہوے، مسٹر فرانسیس ٹے لر (Francis Taylor) نے جو دہلی کے ایک دیسی کالج کے پرنسپل ہیں مجھے ان ہندوستانی تصانیف کی ایک فہرست بھیجی ہے جو حال میں سلطنت مغلیہ کی راجدھانی (دلی) میں شائع ہوئی ہیں - اس فہرست میں چند ایسی کتابوں کا بھی ذکر ہے جو میں نے اب تک آپ حضرات‌کو نہیں بتائی ہیں - یہ کتابیں اردو ادب کے لئے ایک قابل قدر اضافے کا حکم رکھتی ہیں - اگرہ گورنمنٹ نے بھی ادارۂ فرانسہ (Institute of France) کو ایک سو پچھتر کتابوں کا ایک ذخیرہ تحفتاً بھیجا ہے، اور اس میں بھی مجھے چند نئی کتابیں نظر آئی ہیں - یہ ذخیرہ میرے قابل فخر احباب مسٹر ولیم میور (William Muir) معتمد حکومت ممالک مغربی و شمالی ہند، اور مسٹر ایچ - ایس - ریڈ (H. S. Reid) ناظم تعلیمات ممالک مغربی و شمالی کے توسط سے وصول ہوا ہے - یہ دونوں حضرات ہندوستانی ادبیات کے جو ایک نہ ایک دن ہندوستان میں سنسکرت اور فارسی ادبیات کی جگہ لے کر رہے گا، بڑے سرگرم معاون اور سرپرست ہیں - اگرچہ ان کتابوں کو انگریزی حکومت نے دیسی کالجوں اور مدرسوں کے نصاب میں شریک کرنے کی غرض سے شائع کیا ہے، لیکن یہ یورپی حضرات اور خصوصیت کے ساتھ سیول اور فوجی محکموں کے اعلی افسروں کے لئے بھی بہت مفید ہیں، جن کے لئے بنگال جیسے صوبے میں رہ کر بھی جہاں کے اکثر اضلاع میں بنگالی بولی جاتی ہے، ہندوستانی زبان سے واقف ہونا ضروری ہے - اس لئے کہ یہ زبان (ہندوستانی) نہ صرف بنگال کے اکثر مقامات میں بولی جاتی ہے بلکہ کلکتہ، نیز صوبۂ بنگال کے دوسرے شہروں* کی عدالتوں میں صرف یہی زبان

---

* H. H. Wilson. Glossary of Indian Terms, Preface P. 20.

استعمال ہوتی ہے —

حضرات! جن دو فہرستوں کا میں نے ابھی آپ کے سامنے ذکر کیا ہے، اب ان میں سے میں ایک نئے تذکرے کا حال آپ کو سناتا ہوں۔ اس تذکرے کا نام "گلستان سخن" ہے، اور اس کے مصنف مرزا قادر بخش المتخلص بہ 'صابر' ہیں۔ جو خاندان شاہی کے ایک شہزادے مرزا مکرم بخت کے لڑکے ہیں۔ اس خاندان کا ایک سربرآوردہ شخص سراج الدین* اب تک شاہ بلکہ بادشاہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ صابر مولوی امام بخش 'صہبائی' کے شاگرد ہیں، جوآج کل کے اعلیٰ درجے کے ہندوستانی مصنفین میں سے ہیں

شعر کا شوق آج تک ہندوستانیوں میں بدستور باقی چلا آتا ہے، لیکن اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہوسکتا ہے۔ ارسطو اپنی کتاب 'شعریات' باب نہم میں لکھتا ہے کہ "شاعری، بمقابلہ تاریخ کے کہیں زیادہ فلسفیانہ اور سبق آموز ہوتی ہے" لیکن جو فہرستیں اس وقت میرے پیش نظر ہیں ان میں، نظم کی بہت کم نئی کتابیں نظر آتی ہیں۔ یعنی ایک تو "گیان چالیا" (چالوس اقوال) جو ہندی دوھوں کی شکل میں ہے اور پنڈت شری لال نی الکوی ہوئی ہے جو کئی مفید کتابوں کے مصنف ہیں، اور دوسرو "پشپ باٹک" (گلستان) جو گلستان کے باب ہشتم دربارۂ سیرت بادشاہاں کا ترجمہ ہے اور بنسی دھر کا کیا ہوا ہے۔ یہ کتاب آگرے میں طبع ہوئی ہے، اور اشاعت اول میں تین ہزار نسخے چھاپے گئے ہیں۔ ایک اورمصنف قمرالدین نامی نے "گلستان اردو" کے نام سے گلستان کی تلخیص کی ہے اورساتھ ساتھ فارسی عبارت بھی دے دی ہے۔ انہوں نے بوستان کے اقتباسات کا بھی اسی طرح ترجمہ کیا ہے۔ ان کا ترجمہ نہایت فصیح اور صحیح ہے —

---

* یعنی ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ۱۲ مترجم

ان فلسفیانہ اور اخلاقی کتابوں میں جو حال میں ممالک مغربی و شمالی میں چھپی ھیں، سب سے زیادہ قابل ذکر "صفات رب العالمین" مصنفہٗ بابو شری داس ھے - ان مصنف کا نام اگرچہ ھندووں کا سا ھے اور اس کے معنی " لکشمی کے غلام " کے ھیں، لیکن وہ در اصل عیسائی ھیں 'ور جن چند ھندوستانی عیسائی مصنفین کا ذکر میں نے ابھی کچھہ زمانے ● اُدھر آپ سے کیا تھا، ان میں ان کے نام کا بھی اضافہ کر لیا چاھئے --

ایک اور قابل ذکر کتاب ' بھوج پربندسا ' ھے یعنی بھوج کی کہاوتوں کا انتخاب - اس پر بنسی دھر نے حاشیہ بھی لکھا ھے - آپ سب واقف ھیں کہ بھوج ' جسے ھندوستان کا سلیمان کہنا چاھئے ' مالوے کا ایک مشہور راجہ تھا - اس نے پانچویں صدی میں اجین میں حکومت کی ' اور ھندوستانی تصنیفات میں اس کا ذکر اکثر آتا ھے —

' بدھی و دیودیت ' (کتاب دربارۂ علم عقل) ایک ھندی کتاب ھے ' اور اس میں تعلیم و تربیت کے فوائد کو تفصیل کے ساتھہ بیان کیا گیا ھے —

' شکھا منجری ' (گلدستۂ معلومات) یہ چند ' اقتباسات کا ھندی ترجمہ ھے جو ایچ - سی ' ترنر (H. C. Turner) نے ٹاڈ (Tod) کی کتاب "Hints on Self improvement" سے لئے ھیں - ھندی ترجمہ بنسی دھر کا کیا ھوا ھے —

میں اس موقع پر ان اخلاقی قصوں کا بیان بھی مناسب سمجھتا ھوں جو حال میں لکھے گئے ھیں - مثلاً ' فرخ آباد کی کہانی ' ' سرام پور کی کہانی ' اور ' بدھ پھل و دیا ' (درخت عقل' کے ' پھل) - یہ آخری کتاب جو پنڈت کشن دت ' اسٹنٹ پروفیسر سنٹرل اسکول ' آگرہ کی تصنیف ھے ' ایک اردو کتاب ' کبودھی

● Hindustani Authors and their Works P. 20. and P. 58 of this Volume.

سبودھی ' کا ھندی ترجمہ ہے ' اس کتاب کا ذکر میں پچھلے سال کر چکا ھوں —

تاریخی کتابوں میں ' جن کی تعداد میری پیش نظر فہرستوں میں سب سے زیادہ ہے ' مجھے ' میر خواند' کی مشہور کتاب ' روضۃ الصفا '' کا اردو ترجمہ نظر آتا ہے - اس کتاب میں نہایت قدیم زمانے سے لیکر مصنف کے زمانے یعنی سولھویں صدی عیسوی تک کی ایرانی تاریخ بیان کی گئی ہے —

ایک اور کتاب جو ایک مسلمان عالم مولوی عبیداللہ ابومسلم کی تصنیف ہے ' 'تحفۃ الہند' ہے - اس میں ھندوؤں کے مذھب کی تشریح کی گئی ہے - یہ جاننا خالی از دلچسپی نہ ھو گا کہ مسلمان ھندو عقائد کی تشریح کس طرح کرتے ھیں - وہ اگرچہ ان کے عقائد کی شکل کو بالکل نہیں بدلتے ' لیکن ان کو بہت کامیابی کے ساتھہ اپنے ذاتی عقائد میں ضم کر دیتے ھیں - میں تاریخی سلسلے کی دو اور کتابوں کا بھی ذکر کرنا چاھتا ھوں - ان میں سے ایک تو ' تذکرۃ المشایخ ' ہے ' جس کے مصنف سداسکھہ لال ھیں - یہ کتاب سوانح سے تعلق رکھتی ہے ' اور انگریزی سے ترجمہ کی گئی ہے - دوسری کتاب ولسن کی Manual of Ancient History کا اردو ترجمہ ہے جو تاریخ عالم کے نام سے کیا گیا ہے - اس کتاب کا ایک ھندی ترجمہ بھی ' جگت درتانت' (تاریخ عالم) کے نام سے شائع ھوا ہے —

جدید مطبوعات میں ' اخلاقی تصانیف کا حصہ بھی اہم ہے - میں سب سے پہلے ' چھلدو دی پکا ' (عروض کا چراغ) کا ذکر کروں گا - یہ رسالہ ھندی عروض پر ہے ' اور سنہ ۱۸۵۴ ع میں آگرے میں چھپا ہے - اب تک ھندی زبان کے عروض سے کوئی واقف بھی نہ تھا ' اور جس طرح اردو عروض فارسی عروض کی کسی قدر بدلی ھوئی شکل ہے - اسی طرح ھندی عروض ' تھوڑے سے اختلاف کے ساتھہ ' بالکل سنسکرت عروض کی طرح ہے - لیکن اس موضوع (ھندی عروض) پر ایک رسالے کی پھر بھی ضرورت تھی ' اور بنسی دھر نے اس کمی کو پورا کر دیا ہے —

صرف و نحو کی ان کتابوں کا ذکر جو حال ھی میں ھندی اور اردو دونوں زبانوں

میں شائع ہوئی ہیں ' طوالت سے خالی نہ ہوگا - یہ قواعد جتنے اردو اور ہندی سے متعلق ہیں ' اتنے ہی فارسی اور سنسکرت سے ' پھر بھی مجھے امید ہے کہ اگر یورپی حضرات انہیں پڑھیں گے تو انہیں ان سے کئی نئی باتیں حاصل ہوں گی :—

مذکورۂ بالا کتب کے بعد انشا کی کتابوں کا نمبر ہے - ان میں حسب ذیل کتابیں نظر آتی ہیں:—

پتر مالی کا (پتیوں کا ہار) مصنفۂ شری لال ' ہندی زبان میں ؛

' انشاے خردا فروز ' مصنفۂ قمرالدین ' اردو میں - اس کتاب کے متعدد اڈیشن نکل چکے ہیں ' اور ہزاروں نسخے فروخت ہو چکے ہیں—

انشاے خلیفہ' یہ فارسی کتاب 'انشاے شاہ محمد' کا اردو خلاصہ ہے' فارسی عبارت بھی ساتھ ساتھ دی گئی ہے - انشاے شاہ محمد' ہندوستان میں بہت مستند مانی جاتی ہے - اِس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ ممالک مغربی و شمالی کے فاضل ناظم تعلیمات مسٹر ریڈ نے جب سنہ ۱۸۵۳ - ۱۸۵۴ ء میں دیہی مدارس کا دورہ کیا تو انہیں تین سو تینتا لیس مدرسوں کے طلبا کے ہاتھوں میں یہی کتاب نظر آئی —

ایک اور کتاب ' سدھ درپن ' (پاکی کا آئینہ) ہے - یہ ہندوستانی زبان میں ہے اور اس میں آداب و اخلاق کے متعلق ہندوؤں کے نقطۂ خیال کا بیان کیا گیا ہے - اس کے مصنف سیٹھ بدھی چند نارائن انسپکٹر مدارس متھرا ' ہیں - یہ صاحب کئی کتابوں کے مصنف ہیں —

' بدیاانکر ' ہندی زبان میں شری لال کی تصنیف ہے - اسی کو بنسی دھر نے ' حقائق الموجودات ' کے نام سے اردو کا جامہ پہنایا ہے - اس میں موجودات عالم' ستارے' نظام شمسی' حرارت' روشنی' کرۂ ہوا ' کہر' بادل' دنیاے حیوانات' نباتات معدنیات وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے —

اب میرا فرض ہے کہ فن زراعت پر جو چند کتابیں تصنیف ہوی ہیں ' ان کا

بھی ذکر کروں- ان کا مطالعہ ھماری زراعتی انجمنوں کے لئے یقیناً پر از معلومات ہوگا - یہ کتابیں حسب ذیل ھیں :—

" کھیت کرم " اس کے مصنف کالی رائے ڈپٹی کلکٹر فتح گڈھ ھیں - یہ آج کل کے ایک مشہور مصنف ھیں - کتاب ھندی میں ھے اور اس میں ممالک مغربی و شمالی کے ھندوستانی کاشتکاروں کے دستور اور طریقوں کا حال درج ھے - یہ رسالہ آگرہ اور دھلی دونوں جگہ کئی کئی بار اُردو اور ھندی میں چھپ چکا ھے - اس میں مختلف قسموں کی مٹی' طرح طرح کے اوزاروں اور آب پاشی کے مختلف طریقوں کا بیان کیا گیا ھے - نیز تحصیل مالگذاری کے طریقوں کا حال اور زائد تحصیل کے متعلق چارہ جوئی کرنے کی ھدایتیں بھی کی گئی ھیں - اس رسالے میں نقشے بھی ھیں اور اصطلاحیں فارسی اور دیوناگری دونوں تحریروں میں دی گئی ھیں —

" کسان اپدیش " - اس کے مصنف بنسی دھر ھیں - کتاب ھندی میں ھے' اور اس میں بھی آبادی' ملکیت کے کھاتوں' نیز پٹواریوں کے سالانہ حساب وغیرہ کی تشریح کی گئی ھے - میں سمجھتا ھوں کہ یہ وھی کتاب ھے جو موھن لال اور روشن علی کی متفقہ کوشش سے اردو میں' " پند نامہ کاشتکاراں " کے نام سے چھپ چکی ھے- یہ دونوں حضرات تعلیم یافتہ' اور آج کل کے ممتاز اھل قلم ھیں' اس کتاب کا ایک فارسی' اردو اڈیشن بھی ھے —

اگر چہ مجھے اس کا احساس ھے کہ اختصار کی بہت کچھ کوشش کے باوجود بھی اسمائے کتب کی فہرست بہت طویل ھو گئی ھے' لیکن میں اس میں ایک کتاب کے اضافے کی جسارت اور کروں گا - اور وہ میری کتاب " ھندوستانی زبان کے مصنفین کا تذکرہ " * کا اردو ترجمہ ھے' یہ ابھی حال ھی میں دلی

---

* مطبوعہ Journal I Institute بابتہ اکتوبر سنہ ۱۸۵۵ ع ۱۲۰ مصنف

سے شائع ہوا ہے اور اس کے مترجم محمد ذکاء اللہ ہیں۔ ابھی تین دن ہوے اس ترجمے کی چند جلدیں مجھے وصول ہوئی ہیں۔ مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے اور مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ دلکش ہندوستانی زبان پر میری یہ ادنیٰ درجہ کی تصنیف خود ہندوستانیوں میں مقبول ہوئی۔ میری تصنیف کے ہندوستانی زبان میں ترجمہ کئے جانے کا یہ پہلا موقع نہیں ہے' چند سال پہلے میری ایک اور کتاب "تاریخ ادبیات ہندوستان" (History of Hindustani Literature) کا " طبقات شعرائے ہند" کے نام سے اردو ترجمہ ہو چکا ہے —

دیسی مدارس کے لئے جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ بہ یک وقت ہندی اور اردو دونوں زبانوں میں شایع ہوئی ہیں تاکہ ہندو اور مسلمان دونوں ایکساں طور پر ان سے مستفید ہوسکیں۔ اکثر یہ فارسی زبان میں بھی شایع ہوئی ہیں' جسے ہندوستانی مسلمانوں کی لاطینی سمجھنا چاہئے' اور جسے مدارس میں (اور ہندوؤں کے مدارس میں بھی) اردو کے ساتھہ ساتھہ سکھایا جاتا ہے' اصلیت یہ ہے کہ اردو سیکھنے کے لئے فارسی زبان سے واقف ہونا ناگزیر ہے —

حضرات' میں نے آپ کو ان مذہبی کتابوں کا حال نہیں سنایا ہے جو سرگرم مبلغین دیسیوں میں اپنے مذہب کی تبلیغ کے لئے شایع کرتے رہتے ہیں۔ ایسی کتابوں میں عہدنامہ قدیم اور خصوصیت کے ساتھہ عہد نامہ جدید کے ترجمے نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ چاہے ان مقدس کتابوں کو پڑھ کر بہت کم ہندوستانیوں نے اپنا مذہب تبدیل کیا ہو تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جن لوگوں نے انھیں پڑھا ہے ان کی زندگی پہلے سے بہتر اور زیادہ خوشی کی ضرور ہوگئی ہے' کیوں کہ بقول ینگ (Young) —

" کوئی سکون حیات سے گوشہ نشین ہونے کے بعد انجیل

پڑھو اور خوش رہو اس میں ایسے حقائق کی کثرت ہے جن سے؛ زندگی کا سکون بدرجہ اُتم حاصل ہوتا ہے۔ اس کے مقدس صفحے کو پڑھو، اور اس کا احترام کرو، وہ ایک ایسا صفحہ ہے جہاں " ابدیت " کی فتح نظر آتی ہے، ویسا ایک صفحہ ساری مخلوقات مل کر بھی کوشش کرے تب بھی پیدا نہیں کرسکتی۔ اور زبردست سے زبردست آگ بھی اسے برباد نہیں کر سکتی " —



دکھنی مرثیے ایڈنبرا میں

(پہلی قسط)

از

(جناب مولوی سید محی الدین قادری صاحب)

[اردو ادب پر غور کرنے والوں کو یہ خبر خوش کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ سر زمین اسکاٹ لینڈ کے قدیم اور خوبصورت دارالحکومت ایڈنبرا میں اس زبان کے چند مخطوطے بھی محفوظ ہیں، جن میں سے دو تین ضرور قابل قدر ہیں کیونکہ اُن کی وجہ سے اردو زبان کا ایک اہم دور ایک حد تک روشنی میں آجاتا ہے -

ان قابل ذکر مخطوطوں میں سے فی الحال دکھنی مرثیوں کے متعلق سرسری معلومات کی پہلی قسط پیش کی جاتی ہے تاکہ اُردو کی تحقیقات کرنے والے اُن سے نا واقف نہ رہیں -

کتب خانۂ ایڈنبرا یونیورسٹی کے شعبۂ مشرقی کے کتلاگ میں "مراثی ہاشم علی" کے عنوان کے تحت ان کی دو جلدوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن در اصل ان میں سے ایک تو ہاشم علی کے تقریباً ڈھائی سو مرثیوں کا مجموعہ ہے، جس کو مصنف نے "دیوان حسینی" کے نام سے موسوم کیا ہے، اور جس کے متعلق چند معلومات اس مضمون میں پیش کی جائیں گی - اور دوسری جلد ایک "بیاض" ہے جس میں قریب اسی (۸۰) شاعروں کے تین سو مرثیے ہیں - افسوس ہے کہ یہ بیاض ابتدائی اور آخری صفحوں کے لحاظ سے نامکمل ہے - یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ

حقیقت میں اس کا کیا حجم تھا ۔ اور اس وقت اس میں اول اور آخر سے کتنے کتنے صفحے غائب ھیں ۔

اس بیاض پر تفصیل سے کچھہ لکھنے کے لئے خاص فرصت درکار ھے۔ تاھم اس میں جن جن شاعروں کے مرثیے موجود ھیں ان کی میں نے حروف تہجی کے لحاظ سے ایک فہرست ترتیب دے لی ھے جو اس مضمون کے ضمیمہ کے طور پر پیش کی جاتی ھے تاکہ اہل تحقیق و تفتیش کو فی الحال کچھہ معلومات حاصل ھوجائیں ۔ اس کے علاوہ خود اس بیاض کی جو تفصیلی فہرست تیار کی گئی ھے وہ کسی دوسری قسط کے ساتھہ پیش کی جاے گی۔ اُس کی مدد سے آئندہ تحقیق کرنے والے' بیاض میں خاص خاص شاعروں اور مرثیوں کا صحیح سلسلۂ تاخر و تقدم معلوم کرکے' اُن کے زمانے وغیرہ کے متعلق کوئی پتے چلاسکیں گے ۔

چونکہ ان چھٹیوں سے پہلے اس مضمون کا ختم کردینا ضروری تھا اس لئے جو کچھہ لکھا گیا ھے بالکل ہوا روی اور جلدی کا نتیجہ ھے اور اس کے علاوہ چونکہ اس مضمون کا سارا مواد صرف مرثیوں کے زیر نظر دو جلدوں اور میری موجودہ یاد پر مبنی ھے اس لئے میرا خیال ھے کہ اکثر جگہ مجھے بہت ھی اختصار سے کام لینا پڑا ھے ۔

سید محی الدین قادری

کتب خانہ ایڈنبرا یونیورسٹی
۲ جنوری سنہ ۱۹۲۹ ء

دکہنی مرثیوں کی ابتدا کے متعلق فی الحال کوئی تحقیقی بات نہیں کہی جاسکتی ۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وھاں بہت قدیم زمانے ھی سے مرثیہ گوئی کے آغاز ھوچکا ھوگا ، کیونکہ بیجاپور اور گولکنڈا دونوں حکومتیں تقریباً شروع ھی سے شیعہ مذھب کی پیرو تھیں ۔

ہمارے زیر نظر مخطوطوں کو اردو مرثیہگوی کے آغاز سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اس زمانے کے مرثیے ہیں جب دکھنی مرثیہ گوئی کمال کو پہنچ چکی تھی۔ وہ ثابت کرتے ہیں کہ دکھن کی شیعہ سلطنتوں کے زوال کے ساتھہ ہی اس کو بھی زوال نہیں شروع ہوا بلکہ اس کا سلسلہ باقی تھا۔ یہاں تک کہ بعد میں شمالی شاعروں نے اس کو اپنے ہاتھہ میں لیکر اس میں اور بھی ترقی دی ' اور آخر کار ' انیس ' اور ' دبیر ' جیسے استادوں نے تو اُس کو اوج کمال پر پہنچا دیا —

یہ کچھہ کم تعجب کی بات نہیں کہ دکھن میں ' اس گئے گذرے زمانے میں بھی مرثیہ گوئی برابر جاری رہی۔ اور اس طرح ' ہاشمی ' اور ' مرزا ' اور ' انیس ' اور ' دبیر ' کے درمیانی زمانے میں مرثیوں کی زمین بالکل بنجر نہیں پڑی رہی۔ زیر نظر مرثیوں کے مطالعہ کے بعد یہ خیال دور ہوجاتا ہے کہ اردو مرثیہ گوئی دکھن میں شروع ہو کر بالکل ختم بھی ہو گئی۔ اور یہ کہ شمالی شاعروں کو از سر نو مرثیہ گوئی کا آغاز کرنا پڑا —

دکھنی مرثیوں کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کا مرثیہ پن ہے۔ اور اس حیثیت سے وہ شمال کے مرثیوں سے متفرق ہیں۔ وہ مرثیہ گوئی کے اصلی مقصد کو مدنظر رکھہ کر لکھے گئے ہیں۔ ان کا مقصد رونے رلانے کے سوا کچھہ نہیں۔ شمال میں بھی ابتدا میں یہی رجحان تھا۔ لیکن ' انیس ' اور ' دبیر ' نے اس کے رخ کو بالکل بدل دیا اور ان کے یہاں مرثیے اردو شاعری کے اہم ترجزو بن گئے۔ اس میں بہت کم شبہ کی گنجائش ہے کہ دکن میں بھی اس طرح کا رجحان شروع ہو چکا تھا کہ مرثیہ نگاری میں رونے رلانے کے علاوہ شعریت کا بھی لحاظ رکھا جائے جیسا کہ ' روحی ' ' رضی ' ' قادر ' ' ندیم ' اور ' نظر ' وغیرہ کے مرثیوں سے ظاہر ہوتا ہے لیکن یہ بات عام طور پر مقبول نہیں ہوئی تھی۔ ایک دفعہ ' عزلت ' نے اپنے مرثیے کے آخر میں اشارہ کیا تھا کہ :-

خام مضمون مرثیہ کہنے سوں چپ رہنا بھلا
پختہ درد آمیز عزلت نت توں احوالات بول

مگر اس کے ایک بڑے ہم عصر " رضا " نے مرثیے کے اصطلاحی مضمون اور مقصد کو دلیل بنا کر اس طرح اس کا جواب پڑھا کہ :-

اے عزیزاں گرچہ " عزلت " مرثیہ میں یوں کہیا
خام مضموں مرثیہ کہنے سوں چوپہ (کذا) رہنا بھلا
لیکن اس مظلوم بے سر کا بیاں کرنا روا
تاکہ سن کر یوں بیاں ہوویں معہا اشک بار

اگرچہ شمالی مرثیوں کی طرح دکھنی مرثیے موضوع کے لحاظ سے زیادہ مضمون خیز نہیں ہیں تاہم ان میں بھی امام زادہ علی اصغر کی شہادت ، اور امام قاسم اور بی بی سکینہ کی شادی اور پھر ہمیشہ کی جدائی پر بہت کچھ توجہ صرف کی گئی ہے ۔ خصوصاً علی اصغر کی شہادت پر دکھن کے قریب قریب ہر مرثیہ گو نے نئے نئے طریقے سے ماتم کیا ہے —

اس امر کا اظہار بھی شمال اور جنوب کے اردو مرثیوں کا مقابلی مطالعہ کرنے والوں کے لئے شاید غیر ضروری نہ ہوگا کہ دکھنی مرثیہ بالعموم مربع بندوں کی شکل میں لکھے گئے ہیں ۔ ہر مرثیے کے پہلے بند کے چار مصرعے ہم قافیہ وہم ردیف ہوتے ہیں ۔ لیکن ہر بند کا چوتھا مصرعہ اسی ردیف اور قافیہ میں لکھا جاتا ہے جو ابتدائی بند کا ہوتا ہے ۔ چند مرثیے مخمس کی شکل میں بھی ہیں- اور سلام ، درود ، اور فاتحہ وغیرہ کے موضوع کے لئے عموماً غزل کی شکل استعمال کی گئی ہے —

دکھنی مرثیوں کی ایک اور خصوصیت ان کی تاریخی معلومات ہیں ۔ اس بارے میں وہ شمالی مرثیوں سے زیادہ اہم ہیں ۔ ان سے شاعروں کے نام ، ان کی زندگی ، ان کے وطن ، اور زمانے وغیرہ کے متعلق بھی معلومات ہوتے

ھیں ۔ اور یہ باتیں اس لئے زیادہ اہم ھیں کہ ان مرثیہ نگاروں پر اس وقت کسی اور ذریعے سے کوئی روشنی نہیں پڑتی —

دکھنی مرثیہ نگاری کی نسبت اس وقت ان چند اشاروں کے قلمبند کرنے کے بعد اور ہاشم علی کے متعلق بعض نوٹ پیش کرنے سے پہلے اس امر کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ھے کہ اس وقت ہاشم علی پر اس لئے نہیں قلم اٹھایا جارہا ھے کہ وہ بہترین دکھنی مرثیہ گو ھیں بلکہ اس لئے کہ اس وقت سب سے زیادہ انہیں کے مرثیے موجود ھیں —

(۲)

اس وقت جس مرثیہ گو پر ہم چند نوٹ لکھیں گے اس کا نام ہاشم علی ھے ۔ ان ہاشم علی کو نصرتی کے ہم عصر ہاشمی سے کوئی تعلق نہیں ۔ یہ بات یہاں ضرور ملحوظ رھے کہ ہاشم علی کبھی مرثیے میں خود کو ہاشم یا ہاشمی نہیں لکھتے ۔ ان کے دیوان (یعنی مجموعۂ مراثی) کے مطالعہ کے وقت میں نے حتی الامکان کوشش کی کہ کہیں صرف لفظ ہاشمی کا استعمال دیکھوں مگر جہاں تک مجھے یاد پڑتا ھے میں نے کسی مرثیے کے آخر میں ہاشم علی کے سوا کوئی اور تخلص نہیں پایا ۔ یہی وجہ ھے کہ جب بیاض مراثی میں مجھے ایک ایسا مرثیہ ملا جس کے آخری شعر یہ ھیں ۔

تہا اے ہاشم مجھ کوں عظمت ترک اشعار جدید

(عزم ؟)

بس کے ھے دل میں ہجوم درد حسنین شہید

اشک کے طفلاں ہو دامن گیر ماتم کر مزید

لو م دل میں یو سطر غم کی مٹانے نیں دئیے

تو میں نے اس کو ہاشم علی کے مرثیوں کی فہرست میں نہیں داخل کیا ' بلکہ جیسا کہ اس مضمون کے آخر میں فہرست ملاحظہ کرنے سے واضح ہو گا '

ہاشم اور ہاشم علی دو علاحدہ علاحدہ نام لکھے ہیں - تاہم ہاشم پر استفہامیہ لگادیا ہے - ممکن ہے کہ خرق عادت کے طور پر ہاشم‌علی نے ایک دفعہ ہاشم تخلص بھی استعمال کردیا ہو !

ہاشم علی ' عادل شاہی ہاشمی سے تقریباً ایک صدی بعد کے شاعر ہیں - وہ ولی اورنگ‌آبادی کے ہم عصر تھے اُن کے موجودہ دیوان میں ایک دو تاریخیں ایسی ملتی ہیں جن سے اُن کے زمانے کا صحیح تعین ہوسکتا ہے --

۱- مرثیہ نمبر ۲۰ کے عنوان کے طور پر انھوں نے حسب ذیل عبارت لکھی ہے

"...... از جملہ تفضلات امام شہید کہ بریں عاصی‌شدہ آنست‌کہ برادر ایمانی حافظ فضل‌الدین درعالم رویا بتاریخ بیستم ماہ مبارک رمضان سنہ ۱۱۴۸ ہجری یک ہزار (؟) و چہل ہشت‌مشاہدہ نمود کہ گویا پائےعلاوہ (الاوہ- موجودہ) آنحضرت نشستہ و صحباں جمع شدہ‌اند کہ یکایک از شکل ضریح سوز (؟) صدائے برآمد حاضران مجلس ہمگی بہ تعظیم آں برخاستہ ' دست ہائے ادب بر سینہ نہادہ ' بجہۃ استماع ندائے روح افزا ہیئے سراپا گوش گشتند ' کہ بار دیگر آواز برآمد ' و نام قایل بیان غم بر زبان راندند کہ‌کجاست' چوں ایں کمینہ‌را نیز دراں محفل حاضردید کہ با نیز تمام سر را قدم‌ساختہ نزدیک ضریح مقدس آمدہ‌ایستادہ بار سیوم حکم عالی صادر شد کہ آں مرثیۂ واویلا رابخواں - حسب فرمان وہی ترجمان شروع بخواندن‌نمود کہ اوّل خواب بہ‌زبیدار شدہ ایں پائے ساخی آنست کہ در بارگاہ سلیمانی وصول شدہ "—

اس سے جہاں مصنف کے مذہبی معتقدات پر روشنی پڑتی ہے ' جس پر آیندہ نظر ڈالی جائے گی ' یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہاشم علی سنہ ۱۱۴۸ ہجری میں خاصے مشہور مرثیہ گو ہوچکے تھے - اور اُن کے مرثیے اس قدر پر اثر سمجھے جاچکے تھے کہ

اُن کی داد دینے اور سننے کے لئے اس کے اعتقاد کے مطابق حضرت امام حسین بھی اُن کے ایک دوست کے خواب میں تشریف لاے تھے —

۲- ایک جگہ (یعنے مرثیہ نمبر ۱۷۵ کے آخر میں) مرثیے کی تاریخ تصنیف یوں بیان کی ہے :—

جب منجم نے کیا اس درد نامہ کا حساب   غین و قاف و سین و طا آیا رقم اندر کتاب
سن کے یو تاریخ کوں سینے میں دل ہوتا کباب   ختم کر ہاشم علی قاسم کی شادی کے بین

گویا یہ مرثیہ سنہ ۱۱۶۹ ھ میں لکھا گیا ہے —

ان دونو شہادتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ہاشم علی گیارھویں صدی ہجری کے آخر یا بارھویں کے اوائل میں پیدا ہوے ہوں گے اور یہ کہ بارھویں کے آخر میں انتقال کیا ۔

ایک اور طرح سے بھی ہاشم علی کے زمانہ پر روشنی پڑتی ہے اور وہ یہ ہے کہ ہاشم علی نے اپنے مرثیوں میں دکن کے مشہور شاعر ' قادر ' کا دو دفعہ ذکر کیا ہے - اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ تو قادر کی زندگی میں ان کی طرف اشارہ کیا اور دوسری دفعہ اُن کی وفات کے بعد —

' قادر' دکن کے بہترین مرثیہ گویوں میں سے ہیں - گجرات اُن کا وطن نہیں تھا بلکہ دکن کا کوئی حصہ ۔ یہاں اُن کے ۱۷ اعلیٰ درجہ کے مرثیے موجود ہیں - ان میں کل ۳۰۵ شعر ہیں اور بلحاظ مقدار خود ہاشم علی اور غلامی کے سوا یہاں سب سے زیادہ انہیں کے مرثیے ہیں ۔اگرچہ خوبیٔ کلام کے مدنظر فی الحال اس کا فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ آیا غلامی بہتر ہیں یا قادر ؟

' قادر ' ہاشم علی کے ہم عصر تھے - ان کے مرثیوں میں سے ایک میں عجیب طرح سے تاریخ تصنیف کا ذکر ایا ہے - وہ لکھتے ہیں —

سن اگیارہ سو اوپر اونچاس سال   سبز بانا قادرا کا لہو میں لال
ختم کریو مرثیہ پایا وصال (؟)   ہاے کیا غم ' غم پھٹم ہے مستقیم

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قادر سنہ ۱۱۴۹ ہجری میں زندہ تھے - اور چنانچہ جب ہاشم علی نے یہ شعر لکھا —

ہاشم علی عجب نیں یو مرثیے کوں سن کر تجہ پر خلیفہ قادر تحسین کرے دکھن میں

وہ بقید حیات تھے لیکن اس کے بعد ہی (اور بہت ممکن ہے کہ سنہ ۱۱۶۹ ھ سے پہلے) ان کا انتقال ہوگیا - کیوں کہ ایک دوسرے مرثیے میں ہاشم علی کہتے ہیں -

ہزار حیف نیں شاعران دکھن سو 'روحی' و 'مرزا' او 'قادر' نہیں

ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تینوں ان کے سامنے سوگئے تھے اور ان کی وفات پر ہاشم علی کو افسوس بھی ہوا تھا —

اس تمام تفصیل سے یہ ثابت کرنا بھی مقصود تھا کہ سنہ ۱۱۴۸ ھ اور سنہ ۱۱۶۹ ھ سے متعلق ان کی ذاتی شہادتوں کے علاوہ سنہ ۱۱۴۹ ھ کی بھی ان کے زمانہ کے متعلق ایک بالواسطہ شہادت موجود ہے —

اسی سلسلے میں ان شاعروں کی نسبت بھی کچھ لگونا دلچسپی سے خالی نہیں جن کا ہاشم علی نے ذکر کیا ہے اور جس سے ان کا ماحول بھی معلوم ہوتا ہے —

'قادر' کے ساتھ ایک ہی مصرعہ میں 'روحی' اور 'مرزا' کا تذکرہ کرنا ضرور قابل توجہ ہے - بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مرزا سے دکن کے ان دو شاعروں سے کوئی ایک مراد ہے جن میں سے ایک کا تعلق بیجاپور سے تھا اور دوسرے کا گولکنڈے سے - بیجاپور کے مرزا کو انتقال کئے ہوے اس وقت تک غالباً بہت زمانہ گذر گیا ہوگا کیونکہ موجودہ معلومات کی بنا پر اُن کا انتقال علی عادل شاہ ثانی ہی کے زمانہ میں یعنے سنہ ۱۰۸۳ ہجری سے پہلے ہوچکا تھا - اور یہ ظاہر ہے کہ ہاشم علی جن مرزا کا ذکر کر رہے ہیں و یقیناً وہ مرزا ہیں جو یا تو ان کے ہم عصر تھے یا جنھوں نے ان کے قریبی زمانے میں انتقال کیا تھا -

گولکنڈے کے مرزا ممکن ہے ہاشم علی کے زمانے تک زندہ ہوں - کیونکہ سنہ ۱۰۱۸ ھ

کے بعد ان کا بقیہ حیات ہونا مسلم ہے - بہت ممکن ہے کہ وہ پچیس تیس سال اور بھی زندہ رہے ہوں - لیکن یہاں جو بات غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ گولکنڈے کے مرزا سے عام طور پر مرثیے نہیں منسوب کئے جاتے - سمجھا یہ جاتا ہے کہ صرف بیجا پور کے مرزا مرثیہ گو تھے -

یہ بحث اس لئے بھی زیادہ قابل توجہ ہے کہ اسی پران پندرہ مرثیوں کی قسمت کا فیصلہ منحصر ہے جو یہاں "بیاض" میں مرزا کے نام سے موجود ہیں اور جن میں تقریباً ۲۱۵ شعر ہیں - اگر یہ مان لیا جائے کہ ان مرثیوں کے مصنف گولکنڈے ہی کے مرزا ہیں تو یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ وہ سنہ ۱۱۵۰ تک زندہ بھی تھے - کیونکہ مرزا کے جو مرثیے یہاں موجود ہیں ان میں ایک جگہ قادر کا اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ گویا وہ اس وقت مرچکے تھے - مرزا لکھتے ہیں :-

یہ مرثیہ بو تراب سیتی قبول پاوے تو کچھ عجب نیں

کہ روح قادر کی زار رووے پڑے جو مرزا دکھاں میں غم تھیں

یاد رہے کہ مرزا جیسا کہ ان کے ایک متذکرہ شعر سے ظاہر ہوتا ہے سنہ ۱۱۴۹ھ تک زندہ تھے --

اس میں بہت کم شک کی گنجائش ہے کہ 'مرزا' 'قادر' کی طرح دکن ہی کے شاعر تھے - وہ ایک جگہ کہتے ہیں --

در ملک ہند' پورب و پچھم ہے سوگ میں

سب سے ادھک عزا ہے بہ دکھن حسین کا

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مرزا کے مرثیے اس مجموعے کے بہترین مرثیوں میں سے ہیں - اُن کا مصنف یقیناً ایک اعلیٰ درجے کا اور پختہ شاعر ہوگا --

پس یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ ہاشم علی نے جس مرزا کا ذکر کیا ہے وہ گولکنڈے کے مرزا ہیں جنھوں نے مرثیے بھی لکھے اور جو سنہ ۱۱۵۰ھ تک زندہ بھی تھے - یا یہ کہ وہ دکن کا کوئی اور بڑا مرثیہ گو شاعر تھا' جو ولی ' ہاشم علی' اور قادر کا ہم عصر تھا اور جس نے قادر کے بعد اور ہاشم علی سے پہلے انتقال کیا --

اس بحث کو بند کر تے وقت میں اپنا یہ اندیشہ بھی ظاہر کردینا چاھتا ہوں کہ کیا یہ ضروری ہے کہ یہ سب مرثیے ایک ہی مرزا کے ہوں ؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ بیاض جمع کر نے والے نے (جس طرح بعض قدیم شاعروں مثلاً ہاشمی اور اور شاہی کے مرثیوں کے نمو نے دئے ہیں ' یا بعضوں مثلاً بسمل اور ہادی کے فارسی مرثیے بھی شامل کر لئے) قطب شاہی مرزا اور عادل شاہی مرزا دونو کے مرثیے نقل کر لئے ہوں ' اور پھر ہماری بدقسمتی سے اس کا خیال نہ رکھا ہو کہ ہر مرثیے پر اس کے خاص مصنف کی طرف اشارہ کیا جاے —

اگر واقعی یہ مرثیے دو مختلف شاعروں کی پیداوار ہیں تو نہ معلوم آئندہ ایسا موقع بھی آسکے گا کہ کوئی خدا کا بندہ دو شاعروں کے مرثیے علحدہ علحدہ کر کے ہر حقدار کو اس کا صحیح حق پہنچاے —

ہاشم علی کے متذکرہ شاعروں میں تیسرا نمبر روحی کا ہے - بیاض میں ان کے زیادہ مرثیے موجود نہیں ہیں - تاہم جس قدر بھی ہیں اپنی خصوصیتوں کے لحاظ سے ممتاز ہیں - روحی کے مرثیوں میں شعریت اور تغزل کا جتنا رنگ غالب ہے کسی اور دکھنی مرثیہ گو کے یہاں نہیں - یہاں ان کے کل پانچ مرثیے ہیں جن میں پچاس سے بھی کم شعر ہیں —

روحی ایک اچھے شاعر ہوں گے - ان کے مرثیے ان کی خوبیء کلام کا پتہ دیتے ہیں - ان سے یہ بھی معلوم ہو تا ہے کہ وہ صرف مرثیہ گو نہیں تھے ' غزل گو ئی میں خاصی مشق کی ہوگی - ایک مرثیے سے چند شعر یہاں نقل کئے جا تے ہیں

تا کہ اس کا اندازہ ہو کہ روحی جیسے کامیاب شاعر بھی عزلت کے ہم خیال تھے —

آج غم ناک ہیں چمن کے گل
بلکہ دل چاک ہیں سمن کے گل
غم زدہ سینہ داغ حیران ہیں
نرگس، لالہ، یا سمن کے گل
یوں نہ لالے شفق کے دستے ہیں
لہو میں ڈوبے ہیں سب ڈگن کے گل
جب سلے شہ کی بات مجلس میں
جل بجھے شمع انجمن کے گل
نقش پا دیکھہ دل ہوس رکھتا
سر پہ رکھنے کون تجھہ چرن نے گل
خوش لگے تجھہ طبع میں اے روحی
دل کے باغاں منے سخن کے گل

نہ معلوم اس طرح کے مرثیوں کو دیکھنے کے بعد 'رضا' کا کیا حال ہوا ہو —

روحی کی زندگی کی نسبت فی الحال کوئی معلومات نہیں۔ 'قائم' نے اپنے تذکرے میں البتہ ایک روحی کا ذکر کیا ہے جو حیدرآباد کے پیر زادے تھے۔ مگر نہ معلوم وہ بزرگ یہی روحی ہیں یا کوئی اور ؟ یہ ظاہر ہے کہ ان روحی کا ہاشم علی کی زندگی ہی میں انتقال ہو چکا تھا —

ہاشم علی کے دیوان میں ایک اور شاعر کا بھی ذکر آتا ہے۔ وہ اپنے مرثیے نمبر ۱۰ کے عنوان میں لکھتے ہیں :-

" تضمین غزل خواجہ حافظ شیرازی کہ حافظ رضی نامی شاعر نیز کردہ بود "۔

اس سے یہ پتہ چلتا ھے کہ حافظ رضی جن کے نو مرثیے بیاض میں موجود ھیں ' اور جو اچھے مرثیہ گویوں میں سے ھیں ' ھاشم علی کے زمانے سے پہلے گذرے تھے یا انھی کے زمانے میں تھے ۔ رضی غالباً گجرات کے شاعر تھے ۔ خود انھوں نے حافظ کی مشہور غزل " دل می رود زدستم صاحبدلاں خدا را " کی تضمین ایک اور شاعر ' بے خبر ' کی تقلید میں کی ھو گی ۔ " بیاض " میں ' بے خبر ' کی تضمین کے بعد ھی حافظ ' رضی ' کی تضمین نقل کی گئی ھے ۔ لیکن حافظ ' رضی ' کا یہ مرثیہ ' بےخبر ' اور ھاشم علی دونو کے مرثیوں سے بہتر ھے —

ھاشم علی کے زمانے اور ان کے قریبی شاعروں پر چند نوٹ لکھنے کے بعد مناسب معلوم ھوتا ھے کہ ان کے وطن کی نسبت ان کے کلام سے جو روشنی پڑتی ھے اس کو بھی ظاھر کر دیا جائے —

کٹلاگ کے مرتب نے انھیں برھان پوری لکھا ھے ' اگرچہ ان کے مرثیوں سے اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا ۔ ان سے صرف اس قدر علم ھو تا ھے کہ وہ گجرات کے شاعر تھے ' اور غالباً اس شہر میں رھتے تھے جس کو وھاں کے باشندے شاید ' نگر ' کہتے ھوں ۔ کیونکہ اپنے مرثیوں میں انھوں نے دو دفعہ نگر کا اس طرح ذکر کیا ھے :

۱ - شہ کے غم میں آج اے ھاشم علی — زینہار ھر گز نہ کر توں بے دلی
سن نگر میں شور محشر ھر گلی — ھے شب قتل شہیداں آج رات

(مرثیہ نمبر ۴۳ کے آخری شعر)

۲ - یو نگر میں شور شہ کے باج ھے — اس الم کا نالہ گھر گھر آج ھے

(مرثیہ نمبر ۴۸ کا آخری شعر)

یہاں لفظ ' نگر ' برھان پور کے لئے ممکن ھے بالکل اسی طرح استعمال کیا گیا ھو جس طرح شہر حیدرآباد دکن کو وھاں کے لوگ اختصار کے لئے بالعموم بلدہ یا شہر کے لفظوں سے یاد کرتے ھیں—

رہا اس کا ثبوت کہ یہ نگر گجرات کا کوئی شہر ہوگا ' یوں ملتا ہے کہ ہاشم علی نے چند مرثیوں میں دکن کو اس طرح یاد کیا ہے کہ گویا وہ وہاں نہیں رہتے ۔ اس کے برخلاف گجرات میں رہنا حسب ذیل شعروں سے ثابت ہوتا ہے —

ہاشم علی لکھا توں بیکس دولھن کی باتاں
اس غم سے ہے جگر خوں' اور چشم اشک ریزاں
گجرات میں پڑے جب یہ مرثیے کو یاراں
سن کر چلے ہیں روتے دکھنی دکھن کوں اپنے (مرثیہ نمبر ۲۲۷)

معلوم یہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں دکھنی گجرات کو اکثر جایا کرتے اور وہاں کے شاعروں سے مستفید ہوتے تھے ' یہ بات صرف ولی اورنگ آبادی ہی تک محدود نہیں تھی۔ ہاشم علی کے علاوہ ایک اور مشہور شاعر ' رضا ' نے بھی دکھنیوں کا اس بارے میں ذکر کیا ہے وہ اپنے ایک مشہور مرثیے کے آخر میں لکھتے ہیں:—

نیں ہے طاقت تا کروں غم کا سومیں سارا بیاں
تم کرو زاری شہاں کی آج اے پیر و جواں
آفریں مجھ کوں کہو اے شاعران و ذاکراں
کرتا ہوں اب بس سخن کوں ' آج ہے قاسم کا بیاہ (بیاض)
اے ' رضا ' قاسم کے جلوہ کا بیاں کر توں تمام
تجھ کوں محشر میں شفیع ہوکر چھڑاویں گے امام
مرثیہ تجھ کن لکھا کر لے گئے ہیں ہر کدام
لے گئے دکھنی دکھن کوں ' آج ہے قاسم کا بیاہ

کیا تعجب ہے کہ ' ولی ' نے اپنے انہیں گجراتی دوست شاعروں کی یاد میں وہ نظم لکھی ہو جو ان کے جدید مطبوعہ کلیات میں موجود ہے اور جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ واقعی ' ولی ' کے دل پر گجراتیوں نے اچھے نقوش تاثر چھوڑے تھے ۔

ہاشم علی کے حسب ذیل شعر سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان کے

شعر دکھن پہنچتے تھے —

ہاشم علی نے آئے معنیٰ نے یو خبر　　دکھن سے ہوکے تیرے سخن کربلا چلے

اور نہ صرف یہی ' دکن کے شاعروں سے ہاشم علی کو داد تحسین حاصل کرنے کی بھی توقع رہتی تھی - وہ کہتے ہیں —

ہاشم علی عجب نیں یہ مرثیے کوں سن کر　　تجہ پر خلیفہ قادر تحسین کرے دکھن میں

اس کے ساتھہ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گجرات اور دکھن کے شاعروں میں تعلقات بھی قایم تھے اور ایک جگہ کی خبریں دوسری جگہ پہنچ جایا کرتی تھیں - چنانچہ ہاشم علی نے اپنے مرحوم دکھنی دوستوں کو جس طرح یاد کیا ہے اس کا ذکر پہلے آچکا ہے' وہ کہتے ہیں —

عجب نیں ہے ہاشم علی کے سخن　　یہ غم کا بیاں سن کے ارزے گگن

ہزار حیف نیں شاعران دکھن　　سوروحی' و مرزا' اوقادر نہیں (مرثیہ ۱۶۵)

---

(۳)

ہاشم علی صرف مرثیہ گو شاعر تھے' اور غالباً پیشہ ور - انہوں نے سوائے مرثیوں کے کسی اور صنف شاعری میں قلم نہیں اٹھایا - اور جس طرح دوسرے شاعر اپنی مختلف نظموں کو ایک جا کر کے انہیں ایک دیوان کی شکل میں حروف تہجی کے لحاظ سے ردیف وار مرتب کرتے ہیں ہاشم علی کو بھی اس کا شوق ہوتا ہے - چنانچہ وہ اپنے قسم قسم کے مرثیوں کو ردیف وار جمع کرکے ایک جلد میں نقل کرتے ہیں' اور اس مجموعے کا نام " دیوان حسینی " رکھتے ہیں - کیونکہ وہ امام حسین اور اُن کے ساتھیوں کے غم و الم پر مبنی ہے —

" و مسمی شدن ایں اوراق بہ دیوان حسینی "

کے تحت انھوں نے جو ۹ شعر لکھے ہیں ان کے آخری شعر یہ ہیں —

شاعراں نے شعر بولے گرچہ رنگیں دل کشا
اے عزیزاں یو سخن ہے اس دل بریاں کا
توں لکھا ہے کربلا کا یو بیاں ہاشم علی
ہے یو دیوان حسینی نام اِس دیوان کا (مرثیہ نمبر ۲)

اس کے علاوہ اپنے صرف مرثیہ گو ہونے کی نسبت انہوں نے صاف صاف کئی جگہ اعلان کردیا ہے - چنانچہ بعض شعر ملاحظہ ہوں —

۱- ہاشم علی ہمیشہ ثناخوان شاہ کا
جز مدح و منقبت سخن اُس نے لکھا نہیں (مرثیہ نمبر ۱۳۹)

۲- بجز مدح نیں شعر ہاشم علی
کہو راستی کے سخن پر سلام (مرثیہ نمبر ۱۱۴)

۳- شاعری میں یو مقرر ہے تجھے ہاشم علی
جز ثنا و مرثیہ شعر دگر کہنا غلط (مرثیہ نمبر ۷۴)

اور نہ صرف یہی ' انہیں اپنے خالی مرثیہ گو ہونے پر فخر بھی تھا - ان کا خیال تھا چونکہ وہ مرثیوں کے سوا کسی اور صنف شاعری سے اپنے قلم کو گندہ نہیں کرتے اس لئے شعر بھی اچھے نکلتے ھیں - وہ کہتے ہیں —

۱- ہے سخن کوں مدح آل مصطفیٰ میں برتری
یو سبب در ریز ہے ہاشم علی کی شاعری
قدر جوھر کوئی نجانے کا سوائے جوھری
اے صبا یہ بے بہا گوھر اوپر صلوات بول (مرثیہ نمبر ۹۹)

۲- بول توں بلبل صفت ہاشم علی
صحن میں مدح اولاد علی
جب تلک دیکھے گلستان جہاں (مرثیہ نمبر ۱۷۲)

۳- ہاشم علی کے شعر جو مدح امام ہے

برایں ثنا و اوس کی فصاحت کوں ہے درود (مرثیہ نمبر۲)

لیکن اگر کبھی انھیں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں میرے شعروں میں کوئی نقص تو نہیں تو وہ یہ کہکر اس کی مدافعت کرنا چاہتے ہیں کہ میرا مقصد شعر و شاعری تو ہے نہیں ، میں صرف مرثیہ گو ہوں ، بھلا مجھے نکتہ چینیوں کی کیا پروا ؟ چنانچہ لکھتے ہیں ۔

۱۔ ہوس نیں شاعری یاراں مجھے ہے مدعا زاری
سخن میں گر خطا دیکھو کرو سیتیں گذاشت (مرثیہ نمبر۱۸۶)

۲۔ شعر ہاشم علی کے تئیں یاراں
مدح مولا منے دیکھو خالص (مرثیہ نمبر ۷۱)

یہاں یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہاشم علی نے اپنے مرثیہ گو ہونے پر فخر اور نکتہ چینیوں سے بے پروائی کا ذکر صرف اس لئے کیا نہ وہ اس ذریعے سے اپنے عیب چھپانا چاہتے تھے ۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کا اعتقاد ہی اس طرح کا تھا ۔ وہ ایک ادنیٰ درجے کے پیشہ ور مرثیہ گو نہیں تھے ۔ وہ جو کچھ لکھتے تھے اس کی اہمیت اور حقیقت پر انھیں اعتماد تھا ۔ وہ اس کو اپنے مذہبی فرائض کا ایک جز سمجھتے تھے اور اس سے انھیں صرف دنیاوی منافع ہی کی امید نہیں تھی ۔ انھیں یقین تھا کہ ان کے مرثیے انھیں آل نبی کی نظروں میں عزیز کردیں گے اور ان کے ذریعے سے وہ اپنی دینی زندگی میں سرخرو رہیں گے ۔

یہ صرف توقعات ہی نہ تھیں ۔ انھیں ان کوششوں کے پھل بھی ملنے لگے تھے ۔ انھیں یقین ہوتا جارہا تھا کہ شہدائے کربلا علیہم السلام ان کے مرثیوں سے خوش ہیں اور یہ کہ ان بزرگوں نے اپنی خوشنودی کا اظہار بھی کردیا ہے ۔ ان کے برادر ایمانی حافظ فضل الدین نے سنہ ۱۱۴۸ھ میں جو خواب دیکھا تھا اس کو خود ہاشم علی ہی کے لفظوں میں ہم نے اوپر نقل کردیا ہے ۔ لیکن اس طرح کے خوابوں کا ذکر ہاشم علی نے ایک سے زیادہ موقعوں پر کیا ہے ۔ چنانچہ دیوان میں ردیف "کاف" کو انھوں

نے ایک سلام سے شروع کیا ہے جس کی سرخی یہ لکھی ہے :-

" سلام الا (کذا) جناب سیدالمرسلین و اشارہ بایں کہ چون سابق در عالم رویا جمال باکمال آنحضرت را دیدہ و آن خوابے است بسیار طولانی - دریں سلام تمنائے بار دیگر نمودہ، و قسم حضرت شاہ کربلا دادہ، چنانچہ از فضل و کرم این آرزو برآمدہ، و بار دیگر با حسن وجہے مشاہدہ جناب اقدس نبوی نمودہ" -

ایک اور مرثیے کی سرخی یہ ہے - اس میں ایک سے زیادہ خواب بیان کئے ہیں :-

" سلام الی جناب سیدالشہداء، و دراں اشارہ است بسہ خواب -

اول خواب استکہ جناب اقدس نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ را چنانچہ در سلام ردیف الف اشارہ بآں باشد —

دوم خوابے ست کہ جناب ولایت مآب علی مرتضیٰ، و حضرت علی بن موسی الرضا علیہ التحیہ و اشارہ مشاہدہ نمودہ قدمبوس و مصافحہ بجا آوردہ حضرت امیر بدست مبارک فکر باشارہ و بزبان می فرمودن کہ علی بن موسیٰ

وسوم خوابے است کہ صحب یکرنگ آں نبی امجد حاجی احمد درویش حضرت سیدالشہدا را دیدہ، و گویا این کمینہ نیز نزد حاضر بودہ و ارشاد و تعملے مدہ کہ بجا آوردہ شد "۔

(مرثیہ نمبر ۸۹)

(اس میں بعض جگہ عبارت غلط ہے - میں نے حتی الامکان بعینہ نقل کردینے کی کشش کی ہے) —

ان خوابوں کے علاوہ خود مرثیوں میں کئی شعر ایسے ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ ہاشم علی کس قدر خلوص اور اعتقاد کے ساتھ مرثیے لکھتے تھے - حسب ذیل شعر ظاہر کرتے ہیں کہ وہ خود متاثر رہتے تھے —

کہاں تک میں لکھوں اس غم کی باتاں
کہ دل کے جوش سوں پر خوں ہیں انکھیاں (مرثیہ نمبر ۲۲۷)

آج ہاشم علی لکھا غم سوں
بھر کے انجھو لوہو سیں سارے نین (مرثیہ نمبر ۱۵۲)

ہاشم علی کے سچے اعتقاد کا ثبوت اُن آرزوؤں سے بھی ملتا ہے جو انھوں نے اپنے متعدد شعروں میں بیان کی ہیں مثلاً ایک جگہ وہ چاہتے ہیں کہ کربلا جاکر خود مرقد امام علیہ السلام پر اپنے مرثیے سنائیں اور اس کی ان کو اس قدر تمنا تھی کہ وہ اپنے کلام کا کربلا جانا انتہائے عروج و قبولیت سمجھتے تھے - کہتے ہیں :-

بولاؤ ہاشم علی کوں سرور نجاوے دل میں یہ آرزو لے
کہ سارے جیتے یو مرثیے ہیں پڑے تمہارے وطن میں غم تھیں (مرثیہ ۱۵۴)

(جتنے) (سے)

ہاشم علی لے آئے سخن لے یو خبر
دکھن سے ہوکے تیرے سخن کربلا چلے (مرثیہ ۲۲۵)

ان کی بعض دعاؤں اور خواہشوں کی نوعیت اور سنجیدگی ملاحظہ ہو :-

اے سخن التماس آمھن کی تم سوں رکھتا یہ گنہ کار روسیا
یا حسین اے خامس آل عبا عرض ہیں کے پانچ مطلب اے شہا
اول ہے یو آرزو دل میں مدام لطف سوں اپنے زیارت کوں بلا
دوسرا جب تئیں حیات مستعار رکھہ مجھے بے منت خلق خدا
تیسرا ہونا قبول درگہت یو سخن لکھنا مرا تیری ثنا
چار میں یہ حاضراں و ذاکراں تم سوں پاویں اپنے دل کی مدعا
ہے تجے منصب شفاعت کا نصیب پانچواں سب کوں قیامت میں چھوڑا
وغیرہ (مرثیہ نمبر ۱۹)

ان کو امید تھی کہ قیامت کے دن امام حسین ان کی شفاعت کرکے انہیں

جنت دلائیں گے :-

حشر کے دیوان سیں جب نور چشم مصطفیٰ
روضۂ رضواں کوں بھیجیں گے محباں کوں چھوڑا
یاد کر ہاشم علی تجھ کوں کہیں روز جزا
وہ ہمارا کمتریں مداح شاعر کاں گیا (مرثیہ ۳۱)

ایک اور شعر ملاحظہ ہو :

ہاشم علی کوں سرور گر لطف سے نوازیں
نیں ہے عجب عزیزاں ' ہے خاندان کرم کا (مرثیہ ۷)

ہاشم علی کے پیشہ ور مرثیہ گو ہونے کی بحث کے متعلق چند اور معلومات بھی حاصل ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کے چند شعروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر سال باضابطہ طور پر مرثیے لکھتے تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں —

تجھ کوں ہاشم علی حسیں سرور
ہر برس مرثیہ لکھاتے ہیں (مرثیہ ۱۴۹)

لکھوں کہاں تلک میں بیان ستم
مجھے ہر برس لے کے تیر قلم
لگاتا رہا ہے کہاں دار غم
جگر پر مرے تیر آخر نہیں (مرثیہ ۱۶۵)

آخری مصرعہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ مدت سے مرثیے لکھتے آے ہیں اور یہ کہ جب تک زندہ رہیں گے انہیں ہر سال غم کرتے رہنا پڑے گا۔ ایک اور جگہ بھی انہوں نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے —

شاعراں نے ہر کدامیں نوبت اس غم کی بھرے
ہے تجھے ہاشم علی اس درد کی باری ہنوز

اس سے یہ مطلب بھی نکالا جاسکتا ہے کہ ہم عصر مرثیہ گو مرثیے لکھتے مرگئے لیکن ہاشم علی کی باری ابھی ختم نہیں ہوئی۔

پیشہ ور مرثیہ گوئی سے متعلقہ دوسری قسم کی معلومات بعض مرثیوں کے درمیانی اشاروں سے ہوتی ہیں۔ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہاشم علی نے صرف مجلس پر ہوکر پڑھنے ہی کے لئے مرثیے نہیں لکھے بلکہ انہیں ماہ محرم کے عام رسم و رواج کا بھی لحاظ رکھنا پڑا۔ زیارت اور چالیسویں کے نیز الوداعی مرثیوں کے علاوہ (جو علموں اور تعزیوں کو ٹھنڈا کر کے واپس ہوتے وقت پڑھے جاتے ہیں) تابوت لے جاتے وقت راستہ سے پڑھتے ہوئے جانے کے لئے بھی انہوں نے علاحدہ مرثیے لکھے۔ چنانچہ مرثیہ نمبر ۱۵۵ اور ۱۹۹' دونوں میں پچاس پچاس شعر لکھنے کے بعد یہ اشارہ کرتے ہیں کہ :—

" ازیں جا روبرو وے تابوت ایستادہ شدہ بخوانند و آہستہ روانہ شوند "

زیارت اور چالیسویں کے مرثیوں کی ابتدا میں حسب ذیل نوٹ لکھے ہیں۔

۱ - " درمیان روز سوم کہ در اصطلاح روز پھول وروز زیارت گویند و این مرثیہ مخصوص آں روز است " -

۲ - مرثیہ چہلم کہ با اصطلاح اہل ہند چالیسواں گویند۔ و مطلب است کہ در آں روز یا شب خواندہ شود " —

---

(۴)

ہاشم علی کے مجموعہ مراثی ' یعنی دیوان حسینی میں کل ۲۳۸ مرثیے ہیں یہ ان کا مکمل دیوان نہیں ہے۔ کیونکہ کتاب میں اکثر جگہ (خصوصاً ہر ردیف کے آخر میں) بہت سے صفحے خالی چھوڑ دیے گئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف اور مرثیے نقل کرنا چاہتا تھا۔ بد قسمتی سے کتابت کی کوئی تاریخ نہیں ملتی۔ بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زندگی ہی میں یہ بیاض

لکھی گئی ہو گی —

ہاشم علی ایک اچھے مرثیہ گو تھے ۔ اگرچہ مرزا ، غلامی ، اور قادر کے بعض مرثیوں کے مقابلے کے ' دیوان حسینی ' میں کوئی مرثیہ موجود نہیں ہے ، تاہم ہاشم علی کی استادی اور اعلیٰ درجے کے شاعر ہونے میں شبہ نہیں کیا جا سکتا ۔ اور بقول ان کے —

شعر ہاشم علی ہوئے مشہور
نیں ہے دیوان کی کتاب ہنوز (مرثیہ ۶۲)

کوئی تعجب نہیں اگر وہ ' دیوان حسینی ' کے جمع ہونے سے پہلے ہی خاصے مشہور ہو چکے ہوں —

ان کی زندگی کی نوعیت پر ، افسوس ہے ، کہ ان مرثیوں سے کوئی روشنی نہیں پڑتی ۔ ایک دو جگہ ایسے شعر ضرور مل جاتے ہیں جن میں مصنف کے خیالات کی کچھ جھلک ضرور نظر آتی ہے لیکن وہ کوئی زیادہ اہم نہیں ۔ ذیل کے چند شعر ثابت کرتے ہیں کہ ہاشم علی کی زندگی عام انسانوں کی زندگی کی طرح صدموں سے آزاد نہیں تھی ۔ یہ ایک غیر معمولی بات ہوتی اگر انہیں ٹھوکریں نہ لگتیں اور دنیا کی سرد مہریوں اور نیرنگیوں کی شکایت کرنے کا موقعہ نہ ملتا ۔

۱ - ہاشم علی زمانہ میں مہر و وفا نہیں
دلہائے پر نفاق میں صدق و صفا نہیں
ہرگز نہیں مروت و شرم و حیا نہیں
اس درد کے دوا کوں بغیر از خدا نہیں
فریاد یا محمد و یا مرتضیٰ علی (مرثیہ ۲۳۳)

۲ - زندگی دنیاں کی ہے ہاشم علی خواب و خیال
جو رہا سو یا و و چوکا ' جاگتا ہے کا کہاں

ہے لحد کی نیند بھاری آج توں اس کوں سنبھال

تا جگا ویں صبح محشر تج کو آساں نید سوں

(مرثیہ ۹۵ بیاض)

اس مضمون کے ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہاشم علی کی شاعری کے چند نمونے بھی پیش کئے جائیں تاکہ ناظرین کو اس کے متعلق خود کوئی اندازہ قائم کرنے کا موقع ملے۔ ہاشم علی نے کربلا سے متعلق تقریباً ہر واقعے پر مرثیہ لکھا ہے۔ لیکن یہاں صرف چار قسم کے مرثیوں کے انتخاب نقل کئے جاتے ہیں۔ ۱ - عام مرثیے (یعنے وہ مرثیے جن میں کربلا کے واقعے پر عام طور پر غم کیا گیا ہو یا محرم کا آغاز بیان کیا ہو) ۲ - امام حسین کے مرثیے۔ ۳ - امام قاسم کے مرثیے ۴- امام زادہ علی اصغر کے مرثیے—

۱ - عام مرثیے کے چند شعر :—

افسوس چوکدھیں سیں ٹپکتا لوھو لوھو

ہو کر شفق گگن سیں ٹپکتا لوھو لوھو

عالم کے سب نین سیں ٹپکتا لوھو لوھو

سرور کہا ' کفن سیں ٹپکتا لوھو لوھو

جس وقت اوپر شہید ہوا طفل خورد سال

سرور لے آے گھر کوں تب اندوہ سیں کمال

بانو کے سر سیں ہوش گیا دیکھ کے یو حال

اصغر کے پیرھن سیں ٹپکتا لوھو لوھو

---

۲ - عام مرثیے کا انتخاب :—

یہ موسم خزاں ہے گلہا نہیں کے سوکھے

اس دوکھ سوں آج بلبل نالاں رہا چمن میں

پھاسا جگر ہے شہ کا دلہا میں آگ لاگی
سب ہو لوہو پگھل کر بہتے چلے نیں میں
ساہ نبی لوہو میں جب کربلا میں ڈوبا
تارے فلک کے اوپر روتے ہیں سب رین میں
یہ بوند ہے لوہو کی یا لعل بے بہا کا
نکھا ترے گلے پر ٹانکا ہے پیرہن میں
فانوس میں گھونگٹھہ کے مانند شمع کریاں
ہے ہے رہی وہ دلہن جلتے اپس کے من میں

---

۳ - آغاز محرم :—

پھر گھٹا ہوں غم کے بادل کی گگن پر آشکار
کربلامیں میگھہ برسے لہو کی دھاراں بے شمار
تیغ چمکے سراوپر بجلی کے مانن (مانند) بار بار
کیا سما ہے، ہے پڑا سارا جہاں میانے اندھار

یہ جھڑی دس دن لگے کی سدہ غم کا شور ہے
کربلا کی موج غم سوں دل کی ندیاں پور ہے
نعرہ ہا کڑکیں گرج کر آہ نفخ صور ہے
چوطرف گھن گھور ہے، لہو کی برستی ہے پھوار

نہیں نکلتا ہے سورج سوکے تہیں سکھ کے بھوّن
خون دل سوں جہاں تلک دیکھو ٹپکتی ہیں نین
تر ہوے ہیں اشکباری سوں، لرزتے ہیں بدن
آہ کا ہر دم ہوا ہے کا دلوں سیتیں پوکار

---

۴ - آغاز محرم -

دیکھو سجاں هلال ماتم هوا نمایاں فلک میں غم تھیں (سے)
دلوں سیں ندیاں لوھو کی بھتیں چلیں اوبل کر نین میں غم تھیں
جھلکتے تارے نہیں فلک پر ' ملک ھیں گریاں فراق سیتھی
پڑیں ھیں بونداں انجھو کے سارے انکھیاں سے ڈھل ڈھل رہی میں غم تھیں
رھا ھے بلبل یو دوکھ سوں نالاں ' گلاں کھل کر پڑے زمیں پر
وہ شہ کے سہرے کوں پھول مالی چونا ھے جب آ چمن میں غم تھیں
ھوا ھے چھرہ لوھو میں گل کوں ' سوئید میانے مگن ھیں انکھیاں
پڑے ھیں گالوں اوپر اولجھ کر وہ زلف مشکیں شکن میں غم تھیں

۵ - شہادت حسین علیہ السلام پر حضرت فاطمہ کا ماتم -

آیا محرم اوڑتا ڈھولارا   روتا ھے عالم اس غم میں سارا
خیرالنسا نے تب یوں پکارا   میرا حسینا نا حق مارا

ھے ھے حسینا تیری جوانی!   تھا قطب تارا تیری پیشانی
دوجا نہیں تھا کوئی جگ میں ثانی   میرا حسینا نا حق مارا

جب تشنگی سوں توں تلملایا   ساتوں سمندر تب کھل بلایا
انھوں ظالماں نے پانی پلایا   میرا حسینا نا حق مارا

توں عرش کا تھا روشن ستارا   تیرا شرف تھا سب آشکارا
ھے آج تیرا سرتن سوں نیارا   میرا حسینا نا حق مارا

۶ - امام قاسم اور بی بی سکینہ کی شادی ہوتی ھے ۔ ابھی دولھا دلھن سے برابر بات چیت بھی نہیں کرنے پاتا ھے کہ جنگ میں جانا پڑتا ھے ۔ ایسے نازک وقت میں دولھا دلھن میں جو گفتگو ھوتی ھے' اس کا ھاشم علی نے ایک مرثیے میں

بیان کیا ہے جس کے چند شعر یہ ہیں :—

جلوہ سیں اوٹھہ کے رن کوں چلا تب کہی دلہن
دامن پکڑ کے لاج سوں انجھواں بھرے نین
مت چھوڑ کر سدھارو تم اس حال میں ہمن
تم بن رہے کا ہاے یہ سونا بھون مرا

کیسی یو کدخدائی و کیسی ہے یو برات
آتا فراق تم سوں یو جلوہ کے آج رات
گھر کوں نہ لے گئے ہو نہ بولے ہو ہم سوں بات
دیکھا نہیں جہاں کوں بھر کے نین مرا

اس کربلا کے بن منن اکیلی میں کیوں رہوں
تجھہ باج میں جہاں میں پور امید کیا دھروں
جد کے مدینہ کیوں کہ ہیں اس تہار سے پھروں
تم اپنے ساتھہ ایکے دکھاؤ وطن مرا

جاتے ہو چھوڑ رن کی طرف مجکوں تم رولا
نہیں شرم کا ہنوز یہ سرسوں گھونگھٹ کھولا
کرتے نہیں محبت و جاتے میا بھولا
اس زندگی سوں آج بھلا ہے مرن مرا

شعلہ لگا ہے دل منے اس غم کا کیا کروں
مجھہ کوں روا ہوا ہے اگر زہر کھا مروں
دوری میں ہاے تیرے میں دن رین کیوں بھروں
فرقت کی آگ سیتیں جلے گا بدن مرا

قاسم کھڑا تھا روتے نین سن دولھن کی بات
غمناک اپنا دیکھ کے دامن دولھن کے ھات
تب آہ دردناک سوں بولا دولھن کے سات
اے بوستاں راحت و سرو چمن مرا

مج کوں نہیں ہے تیری جدائی کا اختیار
تیرے فراق سات میں جاتا ھوں اشکبار
میں کیا کروں علاج، نہیں حکم کردگار
حق نے کیا ھے رن میں مقرر رھن مرا

ھے داغ دل میں تیری جدائی کا، کیا کروں
نیں ہے امید رن سے پھر آکر تجھے ملوں
جو کچھ ھوا مقدروں میں راستی کہوں
وعدہ ھوا ہے حشر میں تم سوں ملن مرا

۷- حضرت شہر بانو امام زادہ اصغر کا ماتم کرتی ھیں —

آج پر خوں کفن ترا اصغر   آج سوکھا دھن ترا اصغر
لال ہے گلبدن ترا اصغر   حیف یو بالپن ترا اصغر

کیوں ھیں زلفاں کے بال تاروں تار   کیوں گلے سیں اوھو کے جاری دھار
تج کوں سوتے کبھو نہ لگتی بار   حیف یو بالپن ترا اصغر

اوتھہ گلے کا لوھو دھلاؤں میں   نیدآتی، تجھے سولاؤں میں
چل ترا پالنا جھولاؤں میں   حیف یو بالپن ترا اصغر

کیوں جدا مجھ ستیں کئے تج کوں   پھر میں گودی لئے پھروں کس کوں
کیوں نہ لاگے بلا تری مج کوں   حیف یو بالپن ترا اصغر

الله الله کیا تجھے پالا   من میں یوں تھا کروں گی بسم الله

ھاے ترا گیا جیا بالا حیف یو بالپن ترا اصغر

کس کا اب پالنا جھولاؤں گی اولی دے کے کسے سولاؤں گی
کس کوں چھاتی ستیں لگاؤں گی حیف یو بالپن ترا اصغر

۸- ماتم امام زادہ اصغر - حضرت شہربانو کہتی ھیں :-

کہتی ھیں بانو آج میں کس کا جھولاؤں پالنا
بالے اصغر باج میں کس کا جھولاؤں پالنا
سویا ھے گردن ڈال کیوں اولجھے زلف کے بال کیوں
رنگیں لوھو سیں گال کیوں کس کا جھولاؤں پالنا
توں کھول انکھیاں سیں دیکھوں، توں بول بتیاں میں سنوں
روتا نہیں توں کیا کروں کس کا جھولاؤں پالنا
تھے کھیلنے کے دن ترے، کیا عمر، کیا تھے سن ترے
نہیں چین مج کوں بن ترے کس کا جھولاؤں پالنا
یہ بہن تیری غمگسار بیٹھی ھے روتی زار زار
توں اوٹھ سکھیا کر پکار کس کا جھولاؤں پالنا
کہاں (کہاں) سیں اجل تھی گھات میں گئی لے کے تجھ کوں ھات میں
بالا گیا جی بات میں کس کا جھولاؤں پالنا
اے میرے پیارے لاڈلے! پھر آکے لگ توں مجھ گلے
انجھو نین سیں بہہ چلے کس کا جھولاؤں پالنا

۹- حضرت شہربانو کا ماتم علی اصغر کی شہادت پر :-

بالے اصغر کے تئیں بلاتی رھی سونا یہ پالنا جھولاتی رھی
جھولا تیرا پڑا رھا خالی ڈوری مجھ ھات میں ھلاتی رھی

ہائے کیوں روٹھ کر گیا مجھ سوں — مہرے پیارے کے تئیں مناتی رہی
بھول کیوں توں چلا میا میری — آرے اصغر تجھے بولاتی رہی
مہں سولاتی تھی جب لگا چھاتی — آنچل اپنا تجھے اوڑاتی رہی
رات دن میں کبھو نہ دی رونے — کر کے باتاں تجھے ھنساتی رہی
تھا برس کا نتھہ کا تجھے ارماں — لال جاماں ترا سلاتی رہی
قاسم آیا ھے جب بھیانے کوں — میں تماشا تجھے دکھاتی رہی
لھو بھرا کیوں ترا چندر مکھہ ھے — جس کوں ھاتھوں سے میں دھلاتی رہی
دودھ پیتا مرا کیا بالے — غم سوں چھاتی سری بھر آتی رہی
تجکوں بھاتی نہ تھی اندھاری رات — تیری خاطر دیوا جلاتی رہی
کر کے تعویذ دل اوپر رکھتی — بد نظر سیں تجھے چھپاتی رہی
کیوں نہ آخر ھوئی عمر میری — تجھ بنا حیف مجھ حیاتی رہی

(۵)

جن جن شاعروں کے مرثیے اس کتب خانے کی "بیاض مراثی" میں موجود ھیں اُن کی فہرست، حروف تہجی کے لحاظ سے، اُن کے مرثیوں اور اشعار کی تعداد کے ساتھ یہاں درج کی جاتی ھے:—

شمار	تخلص	تعداد مراثی	تعداد جملہ اشعار
۱	احمد	۷	۱۵۷
۲	اشرف	۱۳	۱۳۵
۳	اصغر	۱	۲۴
۴	افصح	۲	۲۹
۵	افضل	۱	۳۵ مصرعے (۷ بند مخمس)
۶	اکبری	۱	۱۸
۷	الفی	۱	۱۱

شمار	تخلص	تعداد مراثی	تعداد جملہ اشعار
۸	اسامی	۸	۶۹ شعر ۳۳ مصرعے (۱۱ بند مثلث)
۹	باقر	۱	۲۲
۱۰	برهمی	۱	۹
۱۱	بے خبر	۲	۱۸
۱۲	تراب	۵	۴۹
۱۳	تقی	۲	۶۸
۱۴	حمیدی	۱	۱۲
۱۵	داس	۸	۱۹۶
۱۶	ذوقی	۱۱	۱۳۲
۱۷	رضا	۱۵	۳۵۴
۱۸	رضی	۹	۸۷
۱۹	رمضانی	۴	۵۵
۲۰	روحی	۵	۴۶
۲۱	سرور	۱	۱۷
۲۲	سری	۲	۱۹
۲۳	سیمیں	۲	۱۹
۲۴	سید	۹	۱۱۲
۲۵	سید محمد (؟)	۱	۱۴
۲۶	سیحون	۲	۱۸
۲۷	شرف	۴	۸۷
۲۸	شهابی	۱	۱۴
۲۹	شهی (شاهی)	۲	۲۹

شمار	تخلص	تعداد مراثی	تعداد جملہ اشعار
۳۰	شیدا	۱	۱۸
۳۱	صابر	۱	۲۰ مصرعے (۱۰ بند مخمس)
۳۲	صالح	۲	۲۴
۳۳	صلاح	۸	۱۲۱
۳۴	صوفی	۱	۱۲
۳۵	طاہر	۹	۱۶۸
۳۶	طفیل	۱	۱۱
۳۷	عابد	۱	۱۱
۳۸	عارف	۲	۲۹
۳۹	عترت (؟)	۱	۷
۴۰	عزت	۱	۴۴
۴۱	عزلت	۸	۲۰۵
۴۲	عطا	۱	۱۷
۴۳	عطائی	۱	۱۰
۴۴	عظیم	۱	۴۵
۴۵	علی	۱	(؟)
۴۶	عین الدین توحید(؟)	۱	۲۴
۴۷	غالب	۱	۱۲
۴۸	غلام	۱	۲۷
۴۹	غلامی	۱۷	۳۷۳
۵۰	فائز	۱	۵۱
۵۱	فتح	۱	۲۸

شمار	تخلص	تعداد مراثی	تعداد جملہ اشعار
۵۲	فضل	۲	۴۸
۵۳	قادر	۱۷	۳۰۵
۵۴	قائم	۳	۷۹
۵۵	قربان علی	۳	۴۰
۵۶	قطب‌ابن حسن	۴	۵۴
۵۷	کاظم	۱۰	۲۰۴
۵۸	گل	۲	۲۱
۵۹	مبتلا	۱	۱۱
۶۰	مرزا	۱۵	۲۰۵ شعر ۲۰ مصرعے
۶۱	مسکین	۱	۱۱
۶۲	مسیحا	۱	۲۶
۶۳	مسیح الدین	۲	۱۸
۶۴	موالی	۱	۹۴
۶۵	موسی	۱	۶۳
۶۶	معتبر خان عمر	۱	۲۵مصرعے (۵بلدمخمس)
۶۷	مکھن	۱	۱۳
۶۸	ندا	۴	۳۹
۶۹	ندیم	۱۱	۱۵۲
۷۰	نظر	۳	۱۲۴
۷۱	نعیم	۱	۷
۷۲	ولی	۳	۲۸
۷۳	هادی	۱	۴۳

شمار	تخلص	تعداد مراثی	تعداد جمله اشعار
۷۴	هاشم (؟)	۱	۲۰
۷۵	هاشم علی	۲	۴۴
۷۶	هاشمی	۱	۱۰
۷۷	هوشدار	۴	۸۸
۷۸	یاری	۲	۲۳
۷۹	یوسف	۲	۵۶
۸۰	نامعلوم شعرا	۷	۸۳ شعر ۶۵ مصرعے



کبیر

از

(جناب محمد حفیظ سید صاحب بی - اے - بی ٹی لکچرار اُردو الہ آباد یونیورسٹی)

روایت ہے کہ کبیر نے پچاس سے زیادہ تصانیف چھوڑی ہیں - لیکن ان میں اکثر اصلی نہیں ہیں اور باقیوں میں سے بھی بہت سی ایسی ہیں جو ایک دوسرے میں خلط ملط ہو گئی ہیں - " خاص گرنتھ " جس کی نسبت دعوی کیا جاتا ہے کہ وہ کبیر کے اشعار کا مکمل مجموعہ ہے ' فی الحقیقت اکیس دیوانوں پر مشتمل ہے - مگر ان میں سے چند ہی ایسے دیوان نکلیں گے جو تحقیق اور چھان بین کے معیار پر صحیح اُتر سکیں - " کبیر ساگر " یا " بدھ ساگر " کی ضخیم جلدوں کےمطالعے نے جسے زمانۂ حال کے مشہور کبیر پنتھی مصنف ' سوامی یوگانند' نے ترتیب دیا ہے اور ونکٹیشور پریس (بمبئی) نے شائع کیا ہے ' اس غیر محققانہ سادگی پر استعجاب ہوتا ہے جو علم ادب کے ایسے مختلف مجموعے کو ایک ہی زبردست دماغ کی کاوشوں کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے - لیکن جہاں اندرونی شہادت کی بنا پر بسا اوقات بہت سی نظموں کو بے اصل سمجھ کر مسترد کر دیا جاتا ہے' وہاں یہ امر بھی مشکل معلوم ہوتا ہے کہ باقی دواوین کے ہر بند کی صحت پر آنکھ بند کر کے اعتماد کر لیا جائے - بیلویڈیر پریس (الہ آباد)

کے شائع کردہ " ساکھیوں " اور " شبدوں " کے ایڈیٹروں نے قطع و برید ' ترمیم و تنسیخ میں جس احتیاط اور محنت سے کام کیا ہے اسے دیکھ کر خواہ مخواہ دل سے داد نکلتی ہے ۔ لیکن انہوں نے تمبا کو کی مذمت کے بند کو بھی شامل کر لیا ہے' حالانکہ اس کا رواج ہندوستان میں کبیر کی وفات کے کئی برس بعد ہوا ۔ بہر حال جہاں تک باقی نظموں کا تعلق ہے ان سب سے کبیر کی شاعرانہ زبان طرز بیان ' جذبات اور جوش کا اظہار ہو تا ہے ۔ حقیقت حال یہ معلوم ہو تی ہے کہ چند شاگردوں نے جو اپنے آقا اور استاد کے رنگ میں رنگے ہو ے تھے اور شاعرانہ نغمہ سنجیوں سے پورے طور پر بہرہ اندوز تھے ' جوش عقیدت کے سبب اپنے نتائج فکر کو ان سے منسوب کر دیا ۔ ثانیاً ہر چھوٹے سے چھوٹے فرقے کے حامیوں نے جس میں کبیر پنتھی منقسم ہو گئے ہیں ' اپنے مخصوص عقائد کو بانیء فرقہ سے منسوب کر نے کی کوشش کی ہے ۔ ثالثاً زمانۂ مابعد کے شعرا نے بجاے انفرادی طور پر شہرت حاصل کر نے کے اس دور کے طرز میں لکھنا زیادہ مناسب سمجھا اور جو کچھ لکھا اُسے اپنے استاد کے نام سے دنیا کے سامنے پیش کیا ۔ سولھویں صدی سے لے کر انیسویں صدی تک کلام کبیرکے جتنے جامع ' ایڈیٹر اور شارحین گزرے ہیں وہ سب کے سب تمام مجموعے کو کلام الہی سمجھتے تھے اور اس پر تنقیدی نگاہ ڈالے بغیر اس کے ساتھ اظہار عقیدت کر تے تھے —

بہر حال یہ انتخاب ایسا ہے جس پر کبیر کی اعلیٰ ذہانت و قابلیت کا نہ صرف نا قابل تردید نشان موجود ہے بلکہ اس میں ربط و تسلسل اور جامعیت بھی پائی جاتی ہے اور یہ وہ صفات ہیں جن کی وجہ سے یقین ہوتا ہے کہ وہ جعل یا تحریف سے بالکل پاک و مبرا ہے ۔ اس کا نام " بیجک" ہے اور وہ ہندی تصانیف میں زبان زد خاص و عام بھی ہے —

اس کتاب کے متعدد ایڈیشن موجود ہیں' جو یا تو اصل کتاب کے اقتباسات

ھیں یا اس کے مکمل نسخے ھیں۔ ان کا مقام طباعت بنارس (سنہ ۱۸۶۸ ع) کلکتہ (سنہ ۱۸۹۰ ع)، لکھنؤ (سنہ ۱۸۹۸ ع)، الہ آباد (سنہ ۱۹۰۵ ع)، اور بمبئی (سنہ ۱۹۰۶ ع) اور ھمیرپور (سنہ ۱۹۰۸ ع) ھے۔ ' آدی گرنتھ ' جو سکھوں کی مقدس کتاب ھے ' بہت سے ایسے گیتوں اور اقوال پر مشتمل ھے جن میں سے اکثر صحیح طور پر کبیر سے منسوب کئے جاسکتے ھیں۔ اس طرح کبیر کے عقائد اور ان کی تعلیمات یا تو زیادہ تر "بیجک" میں ملیں گی یا ثانیاً آدی گرنتھ میں (مگر بڑی احتیاط کے ساتھ) یا ' ساکھیوں ' کے ' بیلوے تیر ' والے ایڈیشنوں سے اخذ کی جائیں گی۔ شبد ' اکھراوتی ' اور ' گیان گوداری ' ریختے جھلنے وغیرہ بھی جنھیں الہ آباد کے پریس نے شائع کیا ھے ' اس قدر غیر مصدقہ ھیں کہ ان پر بالکل اعتماد نہیں کیا جاسکتا —

اسی طرح جو دوھے یا گیت وغیرہ کبیر کے نام سے مشہور ھو گئے ھیں وہ نقادانہ تشریح کے سامنے بالکل بے وقعت رہ جاتے ھیں۔ علاوہ ازیں از منۂ وسطیٰ میں کبیر کے کلام پر جو شرحیں لکھی گئی ھیں ' وہ محض ناکارہ ھیں۔ بالعموم ایسا معلوم ھوتا ھے کہ وہ فرقہ دارانہ جذبات سے متأثر ھوکر لکھی گئی ھیں ' جو بسا اوقات نہ صرف مبہم ھیں بلکہ گمراہ کن بھی ثابت ھوئی ھیں۔ مثلاً پاکھنڈ کھنڈینی کی شرح کو لیجئے ' جس کی نسبت روایت ھے کہ وہ ' مہاراجہ وشواناتھ سنگھ ' والی ریوا کے زور قلم کا نتیجہ ھے۔ یہ شرح آسان سے آسان اور سادہ سے سادہ متن کی عبارت کو بھی مہمل اور گنجلک بنادیتی ھے۔ ھمیں امید تھی کہ سولھویں صدی کے نامور مورخ اور مذاھب مختلفہ کے نقاد یعنی ' ابوالفضل ' کی تحریروں سے کچھ امداد ملیگی مگر وہ بھی تین چھوٹے چھوٹے جملوں میں ان کا ذکر کر کے چپ ھو جاتا ھے۔ ' دبستان مذاھب ' بھی کوئی زیادہ مفید ثابت نہیں ھوئی * —

* ٹو مارو احمد آباد۔ ستمبر سنہ ۱۹۲۳ ء —

موجودہ دور میں جن لوگوں نے کبیر کی زندگی اور تعلیمات کا غائر نظر سے مطالعہ کیا ہے ان میں سب سے پہلا نام ایچ ' ولسن کا ہے جو مستشرقین کی فہرست میں بہت شہرت رکھتے ہیں ۔ جن باتوں نے ان کی شہرت میں چار چاند لگائے ہیں ان میں سے ایک اس امر کا تسلیم کر لینا خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ ہندو مذہب اور تہذیب و تمدن کے مطالعے میں از منۂ وسطیٰ کا علم ادب بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس کے بعد خود بخود بہت سے یورپین اہل قلم نے جن میں گارسن دی تاسی کا نام زیادہ مشہور ہے ' " کبیر اور کبیر پنتھی " کے شائع ہونے کے زمانے تک جس کی ترتیب کا سہرا ایک مشہور مذہبی لیڈر کے صاحب زادے ریورنڈ جی ' ایچ ' ویسٹ کاٹ کے سر رہیگا ' دلچسپی ظاہر کرنی شروع کردی - انہوں نے اس مصلح کی زندگی اور تعلیمات پر اپنے خیالات پیش کرنے کے علاوہ ان کی بعض تصانیف کے حصوں کا ترجمہ بھی شائع کیا ہے ۔ اور اُن کے مذہب کے بارے میں اپنی ذاتی تحقیقات کے نتائج بھی پیش کئے ہیں ۔ بشپ ویسٹ کاٹ کے بعض خیالات اور نتائج سے " اجودھیا سنگھ اُپادھیائے " نے اپنے " منتخبات کبیر " کے طویل اور فاضلانہ مقدمے میں اختلاف کیا ہے۔ منماتھ ناتھ دت نے اپنی تصنیف " انبیائے ہند" میں کبیر کا ذکر کیا ہے۔ اور منوہرلعل زتشی نے بھی اپنے سلسلۂ مضامین " ہندو پروٹسٹنٹزم" میں کبیر کے متعلق قیمتی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ سر ولیم ہنٹر اور دوسرے مصنفین نے بھی اپنی اپنی تاریخوں میں مختصراً کبیر کا ذکر کیا ہے ۔ سی ' ایف ' اینڈریوز نے بھی کبیر کے ارشادات اور شاعری پر عام تاریخی تبصرے کے ضمن میں بحث کی ہے ۔ اسی طرح مگر کم کامیابی کے ساتھ جے ' این ' فارکور نے بھی کوشش کی ہے۔ مصر برادران نے زیادہ تر اس کے ادبی پہلو سے بحث کی ہے۔ اور ریورنڈ احمد شاہ نے اپنے بیجک کے انگریزی ترجمے کے دیباچے میں زیادہ تر اس معلم روحانی کی مذہبی و اخلاقی اور تاریخی حیثیت کو اپنے پیش نظر رکھا ہے ۔ سر جارج گریسن نے اس پر اور بشپ ویسٹ کاٹ کی تصنیف پر ریویو کے دوران

میں نیز اپنی کتاب " ماڈرن ورنیکلر لٹریچر " میں مضمون زیر بحث کے سوانحی ' ادبی اور فلسفیانہ پہلوؤں پر نظر ڈالی ہے - کبیر کے ترجمۂ کلام پر جسے رابندرانا تھہ ٹیگور نے انگریزی کا جامہ پہنایا ہے ' " ایولن انڈرھل نے اپنے دیباچے میں * گرو کے تصوف سے بحث کی ہے جو حسب توقع نہایت دلچسپ ہے - یہ تمام تنقیدیں ھمدردانہ انداز میں لکھی گئی ھیں اور آریا سماج فرقے کے بانی سوامی دیانند سرسوتی اور دوسرے کم درجے کے مذھبی مصنفین کی کم عالمانہ ' غیر محققانہ اور غیر فیاضانہ تحریروں کے مقابلے میں دلچسپ تضاد پیش کرتی ھیں —

ھمارے لئے یہ ضروری نہیں ھے کہ ایسے کبیر پنتھیوں کی ان بے شمار مگر مختصر غیر تنقیدانہ تحریروں کی طرف کچھ اعتنا کریں ' جو ھمارے علم اور معلومات میں کچھ زیادہ اضافہ نہیں کرتیں —

قبل یا ما بعد کے کسی مصلح کے کلام اور تعلیم کی جانب اس قدر توجہ نہیں کی گئی ' جتنی کبیر کے کلام اور تعلیم کی طرف کی گئی ھے اور اس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے - لیکن باوجود اس کے اُن کی شخصیت طرح طرح کے اوھام ' توھمات اور قصص کے گردوغبار میں چھپی ھوی ھے - ان کی طرز تحریر گنجلک ھوکر رہ جاتی ھے ' ان کے معمے لاینحل رہ جاتے ھیں ' اور ان کو معنی کا لباس پہنانا بسا اوقات نہایت مشکل ھوجاتا ھے - مگر ان باتوں کے باوجود از منۂ وسطیٰ کے مذھبی پیشواؤں ' مصلحوں اور شاعروں پر ان کا بہت بڑا اثر تھا اور ان کی کامیابی اور ناکامی کا راز اس قدر زیادہ دلچسپ ھے کہ ان کی زندگی ' ان کی تعلیمات ' ھندوستانی فلسفہ اور ھندو مذھب پر نظرثانی اور ھندی شاعری کی تاریخ میں ان کے درجے کے متعلق بحث کی گنجائش ھمیشہ باقی رھیگی —

روایتاً مشہور ھے کہ سنہ ۱۴۵۵ وکرمی میں کبیر بنارس میں لہر تارا تالاب

---

* ھنڈرڈ پوئمس آف کبیر از رابندر ناتھہ ٹیگور —

کے اِدھر روشنی کی چمک کے ساتھ بطور معجزے کے خودبخود ظہور میں آے تھے۔ یا یہ کہ رامانند کی دعا کے اثر سے وہ ایک اچھوتی برہمن بیوہ کے بطن سے پیدا ہوے تھے۔ یا یہ کہ بیوہ نے اپنے آپ کو لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچانے کی خاطر بچے کو تالاب کے قریب ڈالدیا تھا ۔ وہاں سے انھیں ایک نئے نئے شادی شدہ مسلمان جلاہے ' نیرو ' اور اس کی بیوی ' نیما ' نے اٹھا لیا اور متبنی کرکے پال لیا ۔ جتنے قاضی نام رکھنے کے لئے بلائے گئے تھے انہوں نے قرآن مجید کے اوراق باربار اُلٹے' مگر اُنھیں صرف اکبر' کبیر' کبریا' حق' وغیرہ نام ملے جو اسماے الہی میں داخل ہیں اور اسی وجہ سے انہوں نے بچے کو قتل کردینے کا مشورہ دیا لیکن نیرو نے ان اسماے الہی سے یہ مطلب نکالا کہ یہ وہی خود بزرگ ترین ذات ہے اور دنیا میں سچے کلام کو پرچار کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے اس کے بعد بچے کا نام کبیر رکھا گیا اور اگرچہ انہوں نے اسلامی گھرانے میں تعلیم پائی تاہم خدا کی عبادت وہ رام نام ہی جپ کر کرتے تھے۔ ان سے بسا اوقات بہت سی کرامتیں ظہور میں آئیں' مثلاً جو حجام ان کا ختنہ کرنے کے لئے آتا وہ ڈر کے مارے بھاگ جاتا ۔ وہ بیماروں کو شفا بخشتے تھے اور ذبح شدہ گاے کو پھر از سر نو زندہ کردیتے تھے۔ بار بار یہ طعنہ سن کر کہ وہ بے پیرے ہیں انہوں نے رامانند جی کا چیلا بننے کا تہیہ کر لیا ۔ لیکن وہ مفروضہ اسلامی نژاد ہونے کی بنا پر مسترد کردیے گئے ۔ بہرحال وہ اس طرح سے مسترد کردیے جانے سے گھبرائے نہیں ۔ بلکہ انہوں نے ایک چال چلی اور وہ یہ تھی کہ وہ چھوٹے بچے کا روپ لے کر رامانند جی کے راستے میں لیٹ گئے ' گنگا جی کو جاتے ہوے جب کبیر کے جسم کو رامانند جی کی کھڑاویں لگیں تو وہ لگے چلانے مگر رامانند جی نے انھیں چپ کیا اور آھستہ سے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ " کہو رام رام " ۔ " میرے آقا! تو کیا میں رام رام نام جپوں ؟ " رامانند جی نے فرمایا کہ " ہاں ' رام نام جپو " ۔ کبیر نے اُسے اپنی بیعت قرار دیا اور اسے علانیہ شہرت دیدی ۔ حیرت زدہ پیر نے جب وشنوجی کے پرستاروں کے طعنے سنے

تو صاف انکار کردیا کہ میں نے کسی مسلمان جلاہے کو اپنا مرید نہیں بنایا - لیکن بعد میں ان کا دل پسیج گیا اور انہوں نے کبیر کو اپنے روحانی حلقے کا باقاعدہ رکن بنالیا اور بالاخر اپنے ۱۴۸۴ مریدوں کا خلیفہ مقرر کردیا

بہت عرصے تک کبیر اپنی آبائی تجارت میں مشغول رہے - متعددبار انہوں نے اس کپڑے کو خیرات میں دیدیا جسے وہ بغرض فروخت منڈی میں لےجاتے تھے - لیکن پرمیشور کے مافوق الادراک توسط کی بدولت تجارت میں اُلٹا سوگنا نفع ہوا- روگیوں کے روگ اوردکھیوں کے دکھد کووہ کھو دیتے تھے، مردوں کو جلادیتے تھے- عناصر ار بعہ پر انہیں پوراقابو حاصل تھا، وہ بےرو رعایت سختی کے ساتھ مولویوں اورپروہتوں کی مذمت کرتے تھے اور اپنے عقائد کا ڈھڑ لے کے ساتھ پرچار کرتے تھے - انہوں نے رائے ' داس ' جہاں گشت شاہ ' اور سردانند اور سب سے بڑھکر اس دور کے مشہور و نامور درویش اور صوفی گورکھ ناتھ کو نہ صرف مباحثوں میں بلکہ کرامتوں کے مقابلے میں نیچا دکھادیا - انہوں نے اپنے پیر کو دوبارہ زندہ کردیا، جب کہ وہ سلطان سکندر والی دھلی کے حکم سے اس سے ملاقات نہ کرنے کے جرم میں قتل کردئے گئے تھے اور ساتھ ھی انہیں شدید جسمانی اذیت سے بھی نجات دلائی - کبیر نے سلطان دھلی کو بھی قریب قریب اپنی طرف مائل کرلیا تھا ' لیکن وہ پنڈتوں اور مولویوں کی جن میں شیخ تقی کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ھے) ابلہ فریبیوں کے باعث ان کا شدید ترین دشمن بن گیا - مگر سب کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ نہ تو آگ انہیں حلاسکی اور نہ پانی انہیں ڈبو سکا اور نہ خوں خوار درندے اور تیز دھار کے فولادی ھتھیار ھی انہیں کوئی اذیت پہنچانے میں کامیاب ہوسکے —

اسی اثنا میں تقریباً تیس برس کی عمر میں کبیر نے ایک عورت لوئی نامی کو، جو اُن کی مرید تھی، اور ان سے غیر معمولی عقیدت رکھتی تھی اپنے پاک گھر میں داخل کرلیا - اِسے ایک سادھو نے عالم طفولیت میں' دریاے گنگا میں' کمل میں لپٹا ہوا پایا تھا - جب وہ آئی تو تین مہینے کا ایک لڑکا ' کمال ' نامی اس کی

حفاظت و سپرد گی میں دیدیا گیا - یہ لڑکا بھی دریا پر تیرتا ہوا پایا گیا تھا اور اسے بھی تقی کے کہنے پر کبیر نے زندہ کیا تھا - کمالی کو بھی جو پڑوسن کی نوجوان لڑکی تھی، کبیر ہی نے اپنی کرامت کے زور سے زندہ کیا تھا - گھر کے لوگ محنت مزدوری سے معمولی روزی کمالیا کرتے تھے- لیکن جوں جوں روحانی مہمانوں کا اضافہ ہوتا گیا، غائبانہ طور پر ان کی امداد ہوتی گئی - کبیر کی شہرت اب دوردراز مقامات تک پہنچ گئی، حتیٰ کہ سکھ فرقے کے بانی بابا نانک نے بھی ان کی مریدی اختیار کرلی —

بڑے بڑے راجہ ان سے دعا کے طالب ہوتے تھے، انہیں میں گجرات کے سولنکی خاندان کا راجہ بھی تھا، جس کے شیر جیسے چہرے والے بھتیجے ریوا کے باگھل خاندان کی بنیاد ڈالی - کبیر نے ہندوستان کی سرحد کے پرے بلخ اور بخارا تک سیاحت کی، جو اُس زمانے میں علوم و فنون کے بہت بڑے مرکز تھے - دوران سفر میں اِن سے بہت سی کراماتیں ظہور میں آئیں اور جہاں جہاں ان سے مناظرے ہوئے، وہ اِن سب میں فتح مند رہے - اور اس طرح سے انہوں نے معرفت کی روشنی پھیلائی—

جب ان کی عمر ۱۲۰ کے قریب ہوگئی تو کبیر نے دیدہ و دانستہ بنارس کو خیرباد کہا، حالانکہ اس مقدس شہر کی نسبت یہ عقیدہ ہے کہ اگر وہاں موت واقع ہوجائے تو انسان سیدھا سورگ پہنچ جاتا ہے- بنارس سے وہ ضلع بستی کےایک گاؤں مگھر میں آئے، جس کے متعلق یہ عام اعتقاد ہے کہ اگر کوئی انسان وہاں مرجاتا ہے تو پھر وہ یقینی طور پر دوسرے جنم میں گدھے کی جون میں آتا ہے - ہندوؤں اور مسلمانوں میں ان کی لاش کے متعلق تنازعہ ہوا اور قریب تھا کہ جنگ و جدل کی نوبت پہنچ جائے کہ اتنے میں کبیر ظاہر ہوگئے اور لوگوں کو حکم دیا کہ دیکھو کفن کے نیچے کیا ہے ؟ - دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہاں تو پھولوں کا ڈھیر پڑا ہے - نصف پھول مسلمانوں نے دفن کردیے اور باقی نصف کو ہندوؤں نے جلا ڈالا - کبیر کی رفیق زندگی لوئی غالباً کبیر سے قبل ہی وفات پاچکی تھی - کمالی کی کسی

برھمن سے شادی کردی گئی تھی - کمال ناخلف نکلا اور اس لئے روحانی بیعت کا سلسلہ دھرم داس نے قائم و برقرار رکھا' جو سب مریدوں کے خلیفہ تھے اور تاجر پیشہ جماعت سے تعلق رکھتے تھے —

کبیر جو ایک غریب گمنام مسلمان جلاہے ' نیرو ' کے فرزند تھے اور ' نیما ' کے بطن سے پیدا ہوے تھے ' سنہ ۱۳۹۸ ع میں یا اس کے لگ بھگ بنارس میں تولد ہوے تھے - ان کا باقاعدہ ختنہ ہوا تھا اور ان کی تعلیم و تربیت اسی کے طبقے کے افراد کے مانند ہوئی تھی - وہ صوفیوں اور فقرا سے حسن عقیدت رکھتے تھے اور بالعموم یہ وہ لوگ ہوا کرتے تھے جو اس پاک شہر میں جس سے کبیر کی قسمت وابستہ تھی ' کچھ دنوں کے لئے آکر اقامت گزیں ہوجایا کرتے تھے - یہ اسلامی روایت کہ ' شیخ تقی کا کبیر کی شخصیت کی نشو و نما پر بہت گہرا اثر پڑا تھا ' غالباً صحیح معلوم ہوتی ہے - کبیر بالآخر رامانند کے چیلوں میں داخل ہوگئے تھے اور اس کاروائی میں انہیں یقیناً خاص مشکلات کا سامنا ہوا ہوگا - انہیں خدا پر نہایت زبردست اعتقاد تھا اور قرآن اور وید دونوں کو تسلیم کرنے سے انھوں نے انکار کردیا تھا - پیر پرستی سے وہ سخت بیزار تھے اور انھوں نے ظاہری رسوم اور عبادت کو بھی یک قلم موقوف کردیا تھا —

وہ خالص رہبانیت کو مکمل روحانی زندگی کا جز و خیال نہیں کرتے تھے - اُن کی ملہمانہ شاعری کے جوش و خروش سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ انہیں اپنی بیوی لوئی سے غایت درجہ ہمدردی تھی - ان کی روز افزوں شہرت اور اثر ' ان کے مواعظ اور عتاب آمیز کلمات کے باعث مُلا اور پنڈت ان کے سخت دشمن ہو گئے تھے اور ہر وقت ان کی ایذا رسانی کی فکر میں لگے رہتے تھے - انہوں نے سلطان سکندر لودھی (سنہ ۱۴۸۸ ع تا ۱۵۱۸ ع) جیسے ظالم بادشاہ تک سے امداد لینے میں پس و پیش نہ کی - اس بادشاہ کے ظلم کا یہ حال تھا کہ اس نے ایک برھمن کو محض اس جرم میں مروا ڈالا تھا کہ اس نے اسلام

اور ہندو مذہب کو برابری کا درجہ دے دیا تھا - مگر اس تعصب کے با وجود اس نے عملاً مداخلت کر لے سے انکار کردیا - ممکن ہے کہ وہ کبیر کو باقاعدہ صوفی قرار دیتا ہو، یا اسے ان کی عمر کا لحاظ ہو، یا یہ کہ اسے کسی فساد کے برپا ہو جانے کا اندیشہ ہو - بہر حال کچھ ہی وجہ کیوں نہ ہو، اس مصلح قوم کو شمالی ہندوستان اور گجرات میں اپنے مشن کے پھیلانے کا خوب موقع مل گیا - مگر ان کے بلخ یا بخارا جانے کی تصدیق نہیں ہوتی - ان کے مرید تمام طبقوں اور جماعتوں سے تعلق رکھتے تھے - ان کی بیٹی کی شادی برہمن لڑکے سے ہوئی ہے، اور ان کا روحانی سلسلہ دھرم داس نے جو وشنوجی کا پجاری تھا، قائم و بر قرار رکھا! خود ان کی عمر بہت طویل ہوئی، اگرچہ یہ کہنا مشتبہ ہے کہ جب ان کا انتقال موجودہ ضلع بستی کے موضع مگھرا میں ہوا تو اس وقت ان کی عمر ۱۲۰ سال کی ہو چکی تھی —

رامانند کے شاگردوں میں جو مذہبی علم ادب میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، کا کرن گڑھ کا ہندو راجہ، پیپا دھنا، نامی جاٹ، سائیں نامی حجام، اور رائے داس موچی سب شامل تھے - مگر ان سب میں بڑھ چڑھ کر کبیر تھے —

کبیر کا کام یہ تھا کہ اپنے گرو کی تعلیمات کو انتہا تک پہنچا دیں اور جس بات کو امر حق جانیں اس کا بے دھڑک پرچار کریں - تمام اوہام باطلہ، رسوم قبیحہ اور اُن باتوں کے خلاف جو تہذیب کی برائیوں کے نام سے موسوم ہیں، استقلال کے ساتھ جہاد جاری رکھیں - کہا جاتا ہے کہ صوفی دنیا کے سب سے بڑے عملی آدمی ہوا کرتے ہیں - کبیر با وجود صوفیوں کے سر تاج ہونے کے نہایت عملی مصلح بھی تھے - انہوں نے قدرتاً اپنی تعلیمات کے پرچار کے لئے ملکی زبان ہی کا استعمال کیا - ایک جانب خیالات کی آمد تھی اور دوسری طرف جذبات تھے کہ وہ اظہار کے لئے تڑپ رہے تھے - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی

قوت گویائی بہت جلد انتہائی عروج کو پہنچ گئی - ان کی شاعرانہ قوت اعلیٰ وارفع تھی اور وہ ان کے مزاج کا قدرتی نتیجہ تھی - اس میں شبہہ نہیں کہ ان کے زمانے کی اسپرٹ (اقتضا) اور خود ان کی شخصیت ان کی کامیابی کا بہت بڑا وسیلہ تھی - لیکن اس سے قطع نظر ' والٹیر ' کی طرح ان کی درازی عمر بھی ان کی کامیابی کی بڑی وجہ تھی —

یہ اعلیٰ درجے کی ذہانت کا نتیجہ تھا کہ کبیر نے اصلاح مذہب کے مرکزی نقطے کو کبھی ہاتھ سے جانے نہ دیا' یعنی یہ کہ خدائے برتر کی خضوع و خشوع کے ساتھ عبادت کرنا اور اس کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا - خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور اس کی سلطنت کا مرکز اقلیم دل ہے —

ارشاد ہوتا ہے :—

پھولوں کے باغ میں نہ جا' اے دوست وہاں نہ جا !

خود تیرے جسم میں پھولوں کا باغ پوشیدہ ہے —

" تو کنول کی ہزارہا پتیوں میں اپنی جگہ بنا ' اور وہاں سے حسن لازوال کا تماشا کر —

" ہمہ اوست " کے خیال کی سختی کے ساتھ ترویج فرماتے ہیں :-

"مخلوق برہما (خالق) میں ہے اور برہما خود مخلوق میں موجود ہے" —

وہ دونوں ایک دوسرے سے جدا بھی ہیں اور ملے ہوئے بھی -

وہ خود درخت بھی ہے بیج بھی اور نمو بھی وہی ہے وہ خود پھول ہے —

میوہ بھی اور سایہ بھی وہی ہے —

وہ خود سورج ہے' روشنی بھی اور ہر وہ چیز بھی جو روشنی سے منور ہو جائے

وہ خود برہما ہے ' مخلوق بھی اور مایا بھی -

وہ خود مختلف صورتوں میں اور لامحدود مکان میں جلوہ کر

۳۸۸۵

ہو تا رہتا ہے —

وہ خود سانس ہے، لفظ بھی اور لفظ کا مفہوم بھی وہی ہے۔

وہ خود حد ہے ، خودہی لا محدود بھی ہے ، اور محدود اور لا محدود کی حدود سے بالا تر بھی ہے -

وہ خود پاک ہے اور ہر آلائش سے مبرا ہے ، وہ برھما اور مخلوق میں سائر و دائر ہے ، —

اس سے یہ نتیجہ مستنبط ہوتا ہے کہ بت پرستی نہ صرف بیکار محض ہے، بلکہ خالصتاً مضرت رساں بھی ہے - کبیر فرماتے ہیں کہ " اگر پتھر کی مورتیوں کی پرستش در حقیقت خدا ے بر تر تک پہنچا دیتی تو میں سارے پہاڑ ہی کو پوجنے کے لئے آمادہ ہو جاتا - لیکن پتھر کی مورتی سے تو آٹے کی چکی ہی بہتر ہے جو انسان کے لئے آٹا تو پیدا کرتی ہے - اس کی پرستش کرنا نرا اندھا پن ہے - پروہتوں نے صرف اپنے ذاتی فائدے کے لئے یہ سب رسم و رواج بنا رکھے ہیں - ہم سب کا فرض ہے کہ اصلی نام کو جپتے رہیں'' -

اپنے طعنہ آمیز رنگ میں وہ مندروں اور مسجدوں کی مذمت کر تے ہیں " دنیا مندروں کے آگے جھکتی ہے، لیکن فی الحقیقت خدا کے رہنے کی جگہ تو انسان کا دل ہے - کیا خدا ے تعالیٰ بہرا ہو گیا ہے کہ ملا کو مسجد کے میناروں پر سے چلانے کی ضرورت پڑتی ہے ؟ افسوس صد افسوس دنیا کی حماقت پر ! جس نے اندھی تقلید کی پیروی کو ذریعۂ نجات سمجھ رکھا ہے "—

" اے قاضی ! اب کو نسی کتاب کا وعظ تم کہتے ہو - تم تو ہر وقت جھگڑتے اور مباحثہ کرتے رہتے ہو - تم کو عقل و دانش کی کوئی بات نہیں آتی - تم مجھ سے ختنہ یہ اچھے میں ختنہ کرانے کے لئے کہتے ہو - مگر بھائی ' میں تو اسے برداشت نہیں کرسکتا - اگر یہ ختنہ خدا کی طرف سے ہے تو فطرتاً انسان کیوں ایسا پیدا نہیں ہوتا ؟ اگر ختنے کے ذریعے کوئی شخص ترک بن سکتا ہے تو تمہاری عورتوں

کے بارے میں کیا کہا جائیگا ؟ بیوی کو تم آدھا جسم کہتے ھو - تو ہوی تم اس کے بعد ھندو ھی رھے - زنار پہننے سے ایک شخص برھمن بن جاتا ھے' لیکن تم نے پہننے کے لئے عورتوں کو کیا چیز دی ھے ؟ عورت تو پیدائش ھی سے شو در ھے" —

"اے پانڈے ! تو کھاتا کیا ھے ؟ ھندو اور ترک ' یہ کہاں سے آے ھیں - یہ راستہ کس نے نکالا ھے ؟ اپنے دل کی تلاشی لو اور اچھی طرح سے تلاشی لو' بہشت کہاں ھے - کس نے اسے حاصل کیا ھے ؟ اے بیوقوف ! ان خالی خولی باتوں کو ترک کر اور رام نام جپ - تم تو بد معاشی کی باتیں کرتے ھو - اے کبیر ! جس نے آخری وقت میں رام کی حفاظت قبول نہ کی وہ سخت گھاٹے میں رھا " —

جانوروں کے بھینٹ چڑھانے یا قربانی دینے کی رسم کی بھی سخت الفاظ میں مذمّت کی گئی ھے :—

" اے بیوقوفو اور جاھلو ! تم راستے سے بھٹک گئے ھو ' کیونکہ تمھیں کسی وقت بھی رام کی خبر نہیں ھوتی - تم گاے پر حملہ کرتے ھو اور اس پر ضرب لگاتے ھو اور اس کی جان لینے کے واسطے اس کا گلا کاٹتے ھو - تم زندوں کی جان لینے کے لئے انھیں مردہ بنا دیتے ھو اور سمجھتے ھو کہ تمھاری قربانی اللہ کے لئے ھے - اے بھائی ! یہ گوشت جسے تم مقدس شے جانتے ھو ' تمھیں خبر ھے کہ کس چیز سے بنا ھے ؟ گوشت خون اور نطفے سے مرکب ھے ' لہذا جو گوشت تم کھاتے ھو وہ ناپاک ھے - اے بیوقوفو ! تم اس جہالت کا اعتراف نہیں کرتے' بلکہ کہتے ھو کہ تمھارے بزرگ بھی ایسا ھی کرتے تھے - اس کا خون تمھاری گردن پر ھے اور نیز ان پر جنھوں نے تمھیں ایسی تلقین دی- شباب کے سیاہ بال جاتے رھے ھیں ' لیکن ابھی تک تمھارے دل میں سفیدی نہیں آئی - تمھارے روزے ' تمھاری نمازیں ' اذانیں ' تمھارا چھوٹی کوٹھریوں میں مرنا ' کس کام آئیگا ؟ ان کے وید اور پرانوں کو پنڈت پڑھتے ھیں اور مولوی اپنے قرآن کی تلاوت کرتے ھیں - لیکن کبیر کا کہنا یہ ھے کہ وہ سب دوزخ کا ایندھن بنیں گے جو رام سے ناواقف رھیں گے "—

کبیر کی نظر میں روزے اور حج غیر ضروری ہیں' بلکہ وہ اس زہریلی بیل کی طرح ہیں جو درخت پر پھیل کر درخت کو تباہ و برباد کردیتی ہے۔ ان پر اعتقاد رکھنا مہاک دھوکا ہے۔ اصلی نام کو یاد رکھو اور گرو کو بھی۔ نیکی جو اپنی دین کے طریق پر کی جائے' بیکار محض ہے —

وہ مقدس جماعتیں جو مختلف قسم کے اوہام باطلہ کی حامی رہی ہیں اور جن میں متعدد افراد کی زندگیاں شرم ناک رہی ہیں' کبیر کے غصے کا جائز طور پر نشانہ بنیں اور انھوں نے ان پر نہایت شدید نکتہ چینی کی ہے۔ فرماتے ہیں :-

(۱) " ایک گدھا برھمن سے بہتر ہے۔ ایک کتا مورتیوں سے افضل ہے۔ مرغا ملانے سے بہتر ہے اس لئے کہ وہ سوتے ہوئے شہر کو جگا دیتا ہے" —

(۲) کل جگ کا برھمن محض مسخرا ہے۔ اسے خیرات مت دو۔ وہ اپنے بال بچوں سمیت سیدھا دوزخ میں جائیگا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے ججمانوں کو بھی لے جائیگا " —

اسی طرح جھوٹے گرو کی بھی انھوں نے بہت مذمت کی ہے۔ سخت سے سخت الفاظ بھی اس کی شیطانی سیرت اور اس کے نقصان رساں اثرات کو پورے طور پر ظاہر کرنے سے قاصر رہتے ہیں —

اچھی اور بری صحبت کے مضمون پر کبیر کے بہت سے ارشادات ضرب الامثال کی حیثیت اختیار کرچکے ہیں۔ ذیل کی مثالیں ملاحظہ ہوں :—

(۱) " اچھی صحبت خوشی پیدا کرتی ہے۔ بری صحبت تکلیف پہنچاتی ہے۔ جاؤ اور جا کر سادھوؤں کی صحبت میں بیٹھو۔

(۲) کبیر کہتا ہے کہ "اچھوں کی صحبت دوسروں کی تکلیف دور کر دیتی ہے " —

سب اشخاص کی رہنمائی کے لئے؛ خواہ وہ پر وہت ہوں یا مولوی' نو جوان ہوں یا بوڑھے؛ کبیر نے چند اخلاقی نصائح کئے ہیں جو اپنی رفعت کے لحاظ سے حضرت عیسیٰ یا مہاتما بدھ' کنفیوشس یا زر تشت کے نصائح سے ملتی جلتی ہیں۔

اور ان میں سے بعض تو ضرب الامثال کے درجے تک پہنچ گئی ہیں :—

(۱) کبیر کا قول ہے کہ " کبھی غرور نہ کرو ۔ موت تم کو بالوں سے پکڑ لیگی ۔ معلوم نہیں کہ وہ کہاں آ جائے ' گھر میں یا باہر" —

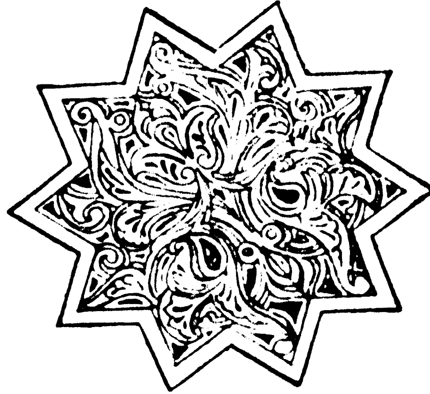
(۲) اس دنیا میں آ جانے کے بعد تکبر نہ کرو ۔ لے لو جو کچھ تمہیں لینا ہے ۔ یہ منڈی بند ہو جانے کے قریب ہے"—

(۳) " انسانی زندگی بلبلے کے مانند ہے' وہ صبح کے تاروں کی طرح آناً فاناً غائب ہو جاتی ہے" —

بلا شبہ کبیر کی تعلیمات میں معاشرتی نظام کے بعض پہلووں سے بھی بحث کی گئی ہے ۔ ان میں ایک خدا ' اخوت انسانی اور گرو کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے ۔ اور یہی تعلیم ذات پات کے اختلافات کا بطلان کرتی ہے ۔ نہ تو خود انھوں نے اور نہ ان کے بعد چیلوں میں سے کسی نے باقاعدہ تنظیم کے ساتھ معاشرتی مصلح کی حیثیت اختیار کرنے کی کوشش کی ۔ عورتوں کی حالت میں کوئی فرق نہیں ہوا ۔ بیواؤں کی ستی کی رسم کی انھوں نے مذمت نہیں کی ۔ صغر سنی کی شادی یا تعدد از دواج کو جوں کا توں برقرار رکھا' مگر اتنا تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس زمانے کی حالت معاشرتی نظام میں کسی وسیع تغیر کو قبول کرنے کے خلاف تھی —

یہی کبیر کی انتہائی کمزوری ہے ۔ اس کے عملی نتائج یہ ہیں کہ ان کے بہت سے ماننے والے ابھی تک ہندو مذہب پر اعتقاد رکھتے ہیں اور ہندو عبادت اور ظاہری مذہبی رسوم کے بھی ایک حد تک پابند ہیں ۔ ہندو مذہب میں جذب کرنے کی جو حیرت انگیز قابلیت موجود ہے ۔ اسے اس کمزوری سے ایک گونہ طاقت حاصل ہوئی ہے ۔ آج متعدد کبیر پنتھی اپنے باقی ہندو بھائیوں سے بہت زیادہ اختلاف نہیں رکھتے اور وہ کبیر کو ذات اعلیٰ کا اوتار سمجھتے ہیں اور ان کے گرو کو اس دنیا کے خلیفہ کا درجہ دیتے ہیں —

کبیر کو اوتار قرار دینا بطور خود ہندو اثرات کی بھی مثال ہے۔ گرو کی تعظیم ایسے اشخاص کے لئے لازمی تھی جو چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں اور دیویوں کی پرستش کرنے، بتوں کی تعظیم کرنے، روزے اور حج (جاترا) کرنے یا روحانی تسلی کے دوسرے ذرائع سے اپنے دلوں کو اطمینان نہ دے سکتے تھے۔ بہر حال اس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ جو لوگ اعتقاد میں پکے تھے اور نیز وہ جو ذرا ڈانواڈول رہتے تھے، سب کے سب ایک ہی حلقے میں جکڑے رہے —



اُردو کے ان پڑھ شاعر

از

(جناب مرزا فداعلی صاحب 'خنجر' لکھنوی)

—— :o: ——

آباد

ان کا نام محمد یعقوب علی خان بن احسان علی خان اور 'آباد' تخلص تھا - مولد و مسکن دهلی - بڑے وجیہ و خوش منظر جوان تھے - 'تاباں' کی طرح دهلی کے کوچه و بازار میں اِن کے حسن صورت نے شهرت و مقبولیت حاصل کرلی تھی اور اسی حسن و جمال کی بدولت هر صحبت میں هاتھوں هاتھ لئے جاتے - باوجود اس شکل و شباهت کے اطوار و عادات اچھے نه تھے - آوارگی پسند خاطر تھی - بد صحبت نے بے اعتدالیوں کی طرف راغب کر رکھا تھا - ابتدائے عمر سے خصلت بگڑ چکی تھی - هرچند پڑھنے بٹھائے گئے - سر پرستوں نے تعلیم و تربیت میں کدوکاوش کی، لیکن 'آباد' دولت علم سے محروم رهے - مبدء فیاض سے طبیعت موزوں اور ذهن رسا عنایت هوا تھا - اگرچه پڑھنا لکھنا نه آیا، مگر درس گاہ سخن میں داخل هوکر رشتهٔ نظم میں در مضامین پرونے لگے - کلام صاف و بامزہ هوتا هے - ثقیل الفاظ بالکل نهیں هوتے - آخر وقت میں اپنی غلط کاریوں کا احساس هونے لگا تھا - جب گذشته زندگی کا نقشه سامنے آتا تو نهایت قلق هوتا، جذبات شاعری میں هیجانی کیفیت پیدا هوتی اور وہ اُسی عالم میں اپنی آوارگیوں پر پشیمان

ہوتے ہوئے یوں گل‌فشاں ہوتے :—

ان خراباتیوں کی صحبت نے　　تجکو ' آباد ' کیا خراب کیا

'آباد' کے سنہ ولادت و وفات کا پتہ نہیں چلتا' لیکن بعض تذکرہ نویسوں کا بیان ہے کہ سنہ ۱۸۵۷ ع کے غدر میں جوان تھے - اِن کی طبیعت کا اندازہ ان تین اشعار سے مسال ہے - پھر بھی کچھہ نہ کچھہ تو طبیعت کی اُفتاد سے اطلاع ہوسکتی ہے —

اُس کی قامت کی یاد میں ہم نے　　مصرع سرو انتخاب کیا

تونے دریا میں اک نگاہ کے ساتھہ　　قطرۂ آب کو شراب کیا

اِن خراباتیوں کی صحبت نے　　تجکو ' آباد ' کیاخراب کیا

آزاد

یہ اُمی شاعر قصبۂ بدایوں میں پیدا ہوا' نہایت وارستہ طبیعت و آزاد مزاج تھا - خاندان میں لوہاری کا کام چلا آتا تھا' اسے بھی یہی پیشہ تعلیم کیا گیا - اہل بدایوں فطری طور پر شاعری کے دلدادہ ہیں - 'آزاد' کو گاہ گاہ اُن اہل ذوق کی حضوری کا شرف ملتا رہتا تھا - وہ اُن کے فیضان سخن سے لطف اندوز ہی نہیں ہوا بلکہ طبیعت کے میلان اور موزونی سے شاعر بھی بن گیا - مزاج میں ظرافت کا عنصر بقدر مناسب موجود ہے' جو اشعار میں نمایاں ہوکر پر لطف شیرینی پیداکردیتاہے۔

افسوس! اس ان پڑہ شاعر کے حالات فراہم نہ ہوسکے' نہ کلام ہی زیادہ دستیاب ہوا جو اس کمی کی تلافی میں پیش کیا جاتا - ۱۸ نومبر سنہ ۱۹۲۷ ع ہفتے کو مسلم ہوستل الہ آباد میں صحبت مشاعرہ تھی' جس میں بیرونجات کے شعرا بھی شریک ہوے تھے- لکھنؤ سے بھی بعض بعض حضرات تشریف لے گئے تھے - چنانچہ جناب 'آسی' بھی

بغرض شرکت مشاعرہ گئے تھے - وہاں جناب 'قمر' بدایونی سے ملاقات ہوئی اور 'آزاد' کا تذکرہ چھڑا - جناب 'آسی' کی معرفت ہمیں مذکورہ حالات اور ایک شعر دستیاب ہوا :-

'آزاد' کی ہے خانہ بدوشی کا یہ عالم
کاندھے پہ لئے پھرتے ہیں چھپر کئی دن سے

—— : o : ——

احمد

احمد علی نام 'احمد' تخلص - اصل شریف لیکن غربت و نکبت نے ادنیٰ درجے کی ملازمت پر مجبور کیا - چنانچہ 'احمد' کے والد نواب والا قدر وزیر مرزا بہادر مغفور کی ڈیوڑھی پر چوکیداری کی خدمت انجام دیا کئے اور والدہ محل میں خاصہ برداری کے کام پر مامور رہیں - خود 'احمد' کو صغر سنی سے ملازمت کی ضرورت پڑی اور بعض سرکاروں میں شاگرد پیشہ کی حالت میں بسر کی - خدمت گاری کے سلسلے میں ہندوستان کے اکثر بڑے بڑے شہروں کی سیر و سیاحت بھی کی، جس سے خاصہ تجربہ حاصل ہوا، آدمی خوش قطع اور زندہ دل ہے - فی الحال کلکتے میں قیام ہے اور خوانچہ لگانے پر بسر اوقات - عادات و اطوار پر بد صحبت نے پورا پورا اثر کیا ہے، منہیات سے پرہیز نہیں، لہو و لعب میں وقت گزرتا ہے - چالیس بیالیس برس کا سن ہے، مگر نشہ کی چیزوں کے استعمال نے صحت کو بگاڑ دیا ہے —

ابتدائے شباب میں شاعری کا شوق ہوا تھا - لکھنا پڑھنا صرف اسی قدر آتا ہے کہ اپنا نام لکھ لیں یا قصہ کہانیاں جو جلی حرفوں میں لکھی ہوں اُنہیں ہجا کرکے گھنٹوں میں دس پانچ لفظیں پڑھ لیں، مگر جوانی کی ولولہ خیز اُمنگوں نے طبیعت میں ابال پیدا کیا اور گاہ گاہ دو چار شعر نظم کرنے لگے -

اُن دنوں مرزا سجاد علی 'دماغ' مرحوم حیات تھے اور 'احمد' اُن کے یہاں ملازمت کرتے تھے۔ ایک روز ڈرتے ڈرتے 'دماغ' مرحوم کے سامنے اپنی تصنیف کی ہوئی غزل اصلاح کے واسطے پیش کی۔ 'دماغ' مغفور کو شاعری کا بے حد شوق تھا اور شاعروں کی کمال عزت کرتے تھے۔ 'احمد' کو فن سخن کی جانب مائل دیکھا تو خوش ہوے اور ان پر خاص عنایت فرمانے لگے۔ حوصلہ افزائی کے خیال سے اصلاح کلام قبول کی اور غزلوں کو بنانے لگے' جن میں کی اکثر غزلیں اس زمانے کے رسالوں میں شائع ہوا کیں۔ ترتیب تذکرہ کے وقت رسالۂ 'پیام یار' میں ایک غزل مل گئی جو درج کی جاتی ہے :-

عارض یار پہ کاکل نہیں لہرائی ہے
صبح سے رات گلے ملنے کو یہ آئی ہے
دام اُلفت میں اُسی دن سے مرا دل ہے اسیر
خواب میں جب سے تری زلف نظر آئی ہے
مژدہ اے بادہ کشو! خوب کرو مے نوشی
ٹھنڈی ٹھنڈی ہے ہوا اور گھٹا چھائی ہے
اب تو ٹوٹتی نہیں مجھ توبہ شکن کی توبہ
خوب اُٹھی ہے گھٹا' خوب گھٹا چھائی ہے
کون مارا گیا ناکام تمنا یارب!
کیوں یہ روتی ہوئی مقتل سے قضا آئی ہے
کون غمخوار ہے میرا شب فرقت 'احمد'
ہمنشیں ایک فقط گوشۂ تنہائی ہے

—— : o : ——

اُمراؤ علی

منشی امراؤ علی خان نام اور 'امراؤ علی' تخلص تھا - کویل کے رہنے والے تھے۔ کھیل کود کی وجہ سے امی محض رہے، لیکن بلا کی طبیعت پائی تھی، خصوصاً قوت لسانی بہت بڑھی چڑھی تھی - گفتگو میں بند ہونا تو آتا ہی نہ تھا - ہر موضوع پر تقریر کرنے کو آمادہ ہو جاتے اور اس بے تکلفی سے بحث کرتے گویا پوری معلومات حاصل ہے - ان کی اس خصوصیت پر عام تذکرہ نویسوں کا اتفاق ہے، چنانچہ مولوی عبد الغفور 'نساخ' اپنے تذکرے میں تحریر فرماتے ہیں:

"امراؤ علی خان، ساکن کویل مقیم اکبر آباد ہر چند حرف نا آشنا تھا، مگر بڑا ذہین و ذکی تھا - ستر برس کی عمر میں انتقال کیا"—

صاحب خمخانۂ جاوید اس عبارت میں ان الفاظ کے اضافے کے ساتھ رقم طراز ہیں:

"چرب زبان ایسے تھے کہ حریفوں کو سامنے بولنے کی مجال نہ ہوتی، اگرچہ امی تھے لیکن قوت بیانیہ، ذہن رسا اور تیزی حافظہ کی بدولت کاملوں کے پہلو بہ پہلو بیٹھتے اور کسی سے بلند نہ ہوتے" الخ—

مختلف زبانوں کے اکثر بلکہ ہزار ہا الفاظ از بر تھے، اردو فارسی کے علاوہ انگریزی، فرانسیسی، اور ترکی زبانوں کی لفظوں کے بھی حافظ و ماہر تھے، جنھیں دوران گفتگو میں بے تکلف استعمال کر کے سامعین کے قلوب میں اپنی وجاہت معلومات راسخ کر دیتے - آگرے میں زیادہ تر قیام رہتا، سنہ ۱۸۵۷ ع کے غدر سے پہلے ستر برس کی عمر پا کر انتقال کیا - منشی کہنے سے بہت خوش ہوتے تھے، اس لئے ان کے احباب نام کے ساتھ لفظ منشی ضرور استعمال کرتے، تذکروں میں صرف

دو شعر ان کے نام سے دیکھے گئے :-

نزع میں دیکھا تو بولے ضعف آیا ہے اسے
مرگ تک ہم سے رہیں کافر کی تھتّے بازیاں

دو پھول گر کسی نے چڑھائے اُڑا دیے
بادِ صبا کو گورِ غریباں سے لاگ ہے

—— : o : ——

اُمی

روشن بیگ نام ، امی تخلص ۔ حمید الدولہ کے بھائی تھے، جو ابوظفر آخری تاجدار دہلی کی سرکار میں بزمانۂ ولیعہدی داروغہ و منصرم تھے ۔ خاک پاک دہلی سے خمیر ہوے اور وہیں تیرھویں صدی ہجری میں پیوند زمین ہو گئے ۔ اکتساب علوم کی جانب بالکل توجہ نہ تھی ۔ مدرسے میں کھیل کود کا شوق رہا ۔ استاد سے جو کچھ پڑھا اسے طاق نسیاں پر دھرتے گئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم سے بالکل کورے رہے، منتہائے جہالت یہ ہے کہ اپنا نام بھی لکھنے سے معذور تھے، مگر مبدءِ فیاض نے قیامت کی ذہانت اور بلا کا حافظہ عطا کیا تھا ۔ جس واقعے کو ذہن میں محفوظ کیا ، ساری عمر فراموش نہ ہوا ۔ اُن دنوں شاعری کا عروج تھا اچھے اچھے شاعر پیدا ہو رہے تھے، شاہ نصیر کا طوطی بول رہا تھا، اور اردو زبان ان کی گود میں پرورش پارہی تھی ۔ شائقین سخن ان کے روز مرہ ، صفائی بندش، حسن ادا ، لطافت مضامین اور پاکیزگی تخیل پر سر دھن رہے تھے ۔ شیخ ابراہیم ذوق، (جو بعد کو " خاقانی ہند " کے خطاب سے سر فراز ہوے) حکیم مومن خاں ' مومن ' میر حسین

'تسکین' سے خوش فکر و خوش گو ہونہار شعرا ان کی شاگردی کا دم بھرتے تھے۔ اسی کا عنفوان شباب تھا۔ جذبات کی فراوانی' امنگوں کی کثرت نے فن لطیفہ گوئی (شاعری) کی جانب متوجہ کیا۔ استعداد علم تو تھی ہی نہیں' فطری لگاؤ خضر راہ بنا۔ رسائی ذہن اور موزونی طبیعت کی بدولت کچھ کچھ نظم کرنا شروع کیا۔ شرفائے دہلی کی صحبت وہم نشینی نے مذاق سلیم اور ذوق صحیح پیدا کردیا۔ ابتداءً جو کچھ کہا' حلقۂ احباب میں پڑھ کر سنایا۔ اہل دہلی کا تمام تر رجحان صفائی بندش اور لطف زبان کی طرف تھا۔ اسی کے کلام میں ان چیزوں کی کمی نہ تھی' ایک ایک شعر معاملہ بندی کا دفتر اور لطف روز مرہ کا منبع ہو رہا تھا۔ داد ملی اور امید سے زیادہ ملی۔ اب کیا تھا؛ ذوق سخن دونا ہو گیا' طبیعت نے دریا کی سی روانی اختیار کی' روز ایک دو غزلیں تصنیف ہونے لگیں۔ قدما کا کلام از بر تھا' موجودہ شاعروں کی غزل سرائیاں سننے میں آ رہی تھیں' مشاعروں میں ایک سے ایک زیادہ لطیف شعر سامعہ نواز ہوتا اور اسی کی معلومات کا ذخیرہ بڑھتا جاتا۔ طبیعت موزوں ہو تو عروض کی چنداں ضرورت نہیں پڑتی' جذبات قلبی خود بخود نظم کے سانچے میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔

شعر می گویم بہ از قند و نبات

من نہ دانم فا علاتن فاعلات (مولانا رومی)

الغرض اسی کا میلان طبیعت اُن کو اُس طرف لے چلا' جدھر اُس زمانے کے شرفا نہایت سرعت و تیزی سے گام زن تھے۔ چونکہ راہ سے نا بلد' رستہ نا ہموار' ذرا سی لغزش میں منہ کے بل گر پڑنے کا اندیشہ' اِس لئے ایک راہبر کی ضرورت محسوس ہوئی۔ جب تک کہ اُستاد فن نکات شعر نہ سمجھائے' اُسی کے سے آدمی کے لیے اُن کا سمجھ لینا محال تھا۔ اُن دنوں عام خیالات شاہ 'نصیر' کی شاعری میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اُسی بھی اس اثر سے محفوظ نہ تھے۔ نصیر کی شیوہ بیانی'

دل میں گھر کر چکی تھی۔ یہی عقیدت وارادت محرک ہوئی اور یہ ایک روز اُن کی خدمت میں جا پہنچے، موقعہ و محل سے اپنا عندیہ ظاہر کیا، شاہ نصیر بہت ہی خلیق تھے، کسی کی درخواست مسترد کرنا تو جانتے ہی نہ تھے۔ راضی تو ہوے لیکن اُس کی جہالت کا تصور کر کے متفکر ہو گئے۔ گویا وہ شخص جس کو فن شہسواری سے کوئی علاقہ نہ ہو، منہ زور گھوڑے پر سوار ہو کر فنون سپہ گری اور چوگان بازی دکھانے کا خواستگار ہے۔ امتحاناً چند اشعار سنانے کا حکم دیا۔ اُس نے تعمیل ارشاد کی۔ شعر سنتے تو حیران رہ گئے، بہت خوش ہوے، اُسی وقت غزل کو اصلاح دے کر حسن صوری و معنوی سے آراستہ و مزین کردیا —

اُس روز سے اُس بھی حلقۂ تلامذہ میں داخل ہو گئے۔ استاد شفیق کے ساتھ مشاعروں میں شریک ہو کر داد سخن دینے لگے۔ روز مرہ اور معاملہ بندی ان کے کلام کی جان ہے۔ ثقیل الفاظ سے قطعاً احتراز کرتے ہیں۔ بعض اشعار سے جہالت ولا علمی اپنی جھلک دکھاتی ہے۔ باوجود اغلاط کی موجودگی کے بوی ایسے شاعر کو اُس کی طبع خدا ساز کی جولانیوں کی داد نہ دنیا غضب ہے، افسوس! اُس مرحوم کا کلام دستیاب نہیں ہوتا۔ تذکروں کی ورق گردانی اور چھان بین کرنے سے جو اشعار فراہم ہوے، نذر نگاہ شائقین کئے جاتے ہیں:

جہاں زنجیر ہم سنتے ہیں، منگوا مول لیتے ہیں
تری زلفوں کے سودے میں یہ سودا مول لیتے ہیں

جی دھڑکتا ہے کہ پہنچے میں نہ آ جائے لچک
ہاتھ سے چھوڑ دیا میں نے ترا جان کے ہاتھ

گرمی سے سے زباں پر آبلے پڑتے ہیں کیا
اے مغاں! اس میں مغیلاں کی بھی پڑتی چھال ہے

امیر

میر امیر علی نام امیرؔ تخلص شاہجہاں آباد کے باشندے اور میر مؤمن علی کے فرزند تھے، جو دہلی کے متوسط الحال شرفا میں شمار کئے جاتے تھے اور اُمرائے شہر کی سرکاروں میں ملازمت کرکے کسب معاش کرتے تھے۔ زمانے کو شرفا سے بیر ہے، اکثر خاندان اس جفا پیشہ کی ستمرانیوں سے مغلوب ہوکر دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوے۔ بہتوں نے خستہ حالی اور درماندگی میں عمریں بسر کردیں، لیکن غیرت و حمیت ذاتی نے کسی ایسے فعل کی اجازت نہ دی جو اُن کے دامن خودداری پر بدنما دھبا بن کر نمودار ہوتا —

میر مومن علی کے ساتھہ بھی زمانے نے وہی سلوک کیا، جو اور شرفا کے ساتھہ کرتا آیا ہے۔ ہمیشہ تنگ دستی اور نکہت وافلاس میں بسر ہوئی، یہی سبب تھا کہ ہونہار فرزند میر امیر علی "امیر" کو تعلیم نہ دلواسکے، رسم مروجہ کے موافق مسجد میں بیٹھہ کر درس و تدریس کرنے والوں میں سے کسی ملّا کے حوالے کردیا، جہاں غریب امیر کو علم حاصل ہونے کے بدلے خدمت گاروں کی طرح سودا سلف خریدنے کی کافی مہارت ہوگئی —

بے چارے مدرسے سے نکلے تو بالکل ویسے ہی تھے جیسے داخل ہوے تھے۔ ملا صاحب کے فیض تربیت نے علمی مفاد سے کاملتاً بے نیاز رکھا۔ اور تو اور اتنا بھی نہ ہوسکا جو ضرورت کے وقت اپنا نام لکھہ سکتے —

تحصیل علم کا زمانہ تو ملا صاحب کی خدمت گذاری میں بسر ہوا۔ اُس کے بعد وہ فصل شروع ہوئی جو جوانی دیوانی کے نام سے مشہور ہے۔ جذبات نوجوانوں کو اکثر غلط راستوں پر لگا دیتے ہیں۔ لیکن امیر کے حصے میں وراثتاً شرافت آئی تھی۔ جوان ہوتے ہی علما و صلحا کی صحبت اختیار کی، ہر چند خود تو پڑھے لکھے نہ تھے مگر اُن کے عالمانہ مکالمے سن سن کے اچھی معلومات بہم پہنچالی۔ اس صحبت

نے ایک طرف اخلاق و عادات کی درستی کی تو دوسری جانب جلاے ذہنی کا کام کیا۔ انجام یہ ہوا کہ فن تقریر و خطابت میں دخل ہوگیا ۔ باوجود جہالت کے جس موضوع پر زبان کھولتے بے تکلف بولتے چلے جاتے، کسی مقام پر عجز طبیعت ظاہر نہ ہوتا ۔ اکثر تاریخی افسانے از بر تھے، جنھیں محل و موقع سے بیان کرکے سامعین کے قلوب کو محظوظ و مسرور کرتے ۔ اسی کمال کی بدولت 'امیر' سوسائٹی کی جان تصور ہونے لگے ۔ اُمرا کی دل چسپ و باکیف صحبتیں ان کی خوش گفتاریوں اور بذلہ سنجیوں سے صحن گلزار بن گئیں، جہاں ترانۂ بلبل اور صوت ہزار کی سی کیفیت طاری رہتی۔ ہرچند اور لوگ علم مجلس سے اطلاع رکھتے تھے، لیکن امیر کی خصوصیت جہل نے انھیں ہم عصروں پر فوقیت عطا کردی تھی ۔ جو اُن کی تقریریں اور شیوہ بیانی سنتا حیران و ششدر رہ جاتا ۔ چوں کہ شعر و سخن کا بازار گرم تھا کوئی صحبت، کوئی مجلس اس ذکر، اس فکر سے خالی نہ تھی، ادنیٰ و اعلیٰ برناو پیر بادۂ سخن کے متوالے ہورہے تھے ۔ شاعری کے بغیر کسی کی دل‌چسپی ہی نہ ہوتی۔ خصوصاً 'امیر' سے شخص کو، جسے اپنی تقریر دل چسپ و دل پذیر بنانے کے لئے جابجا اشعار کی آمیزش سے رنگیلی پیدا کرنے کی ضرورت تھی —

آخرالامر یہ ضرورت محرک سخن سرائی ہوی ۔ خزانۂ قدرت سے طبع موزوں اور ذہن رسا لائے تھے، اُس پر سخن سنجان دہلی کا فیض صحبت سونے پر سہاگا ہوگیا ۔ شعر گوئی کا سلسلہ شروع ہوا – ذوق صحیح نے رہبری کی، فکر بلند نے ہاتھ تھاما اور 'امیر' شاعر بن گئے۔ طبیعت نزاکت پسند واقع ہوی تھی، طائر خیال نے فضاے بسیط میں پرواز شروع کی ۔ سامنے کے مضامین پسند نہ آے، نازک و لطیف خیالات کو لفظوں کے رنگ و روغن سے رنگ رنگ کر مرقعے تیار کئے، مگر کم استعدادی نے جوہر کمال پر پردہ ڈالا ۔ جو مضامین بلند خاطرنشین ہوتے، اُنھیں الفاظ نہ ملتے سے حسب دل خواہ اور بعنوان احسن نظم نہ کرسکتے – بعض مقامات پر بلندی کی سستی پھیکاپن ظاہر کرکے لطف شعر کو گھٹا دیتی،

جو محض کم علمی کا باعث ہے - لیکن ان خامیوں کی وجہ سے ان کا مرتبۂ شاعری پست نہیں ہوسکتا، کیوں کہ وہ معذور تصور کئے جانے کے قابل ہیں - اُنھیں پڑھے لکھے شعرا کی طرح علم سے بہرہ نہ تھا، جو قدما کے دواوین کا مطالعہ کرکے معلومات شعری میں اضافہ کرتے، یا تاریخ و سیر کی بدولت معلومات کے دائرے کو وسعت دیتے- اُن کے علم کی ساری کائنات وہ سنی سنائی روایتیں تھیں، جن میں واقعیت کا عنصر خفیف اور مبالغے کی بھر مار تھی - پھر بھی آفرین ہے اُس طبیعت پر جس نے باوجود عجز علمی ادب اُردو کی خدمت کی —

'امیر' کو فن سخن میں حکیم عزت اللہ 'عشق' سے استفادہ حاصل تھا- جو کچھ کہتے اُسے 'عشق' کی اصلاح سے مزین کرلیتے - مشاعروں میں شریک ہوتے اور حافظے کی مدد سے کلام سناکر شرکاے بزم کو لطف اندوز کرتے - دھلی ھی میں انتقال کیا، جس ارض پاک سے اُٹھے تھے اُسی خطے میں زمین کا پیوند ہوگئے - تذکروں نے کچھ حالات تو بتاے مگر کلام بہت کم نقل کیا، صرف چار شعر ملے جو درج ہوے :

ہم کو حاصل کیونکہ ہو تیرے قد زیبا کی سیر
کب میسر ہوسکے ہے عالم بالا کی سیر

سبزہ رنگوں پہ زہر کھا کے موا کوئی دیکھے تو اس 'امیر' کا دل

خوب دیکھا ہے ہم نے خوباں کو پھول خوش رنگ ہیں پہ باس نہیں
بولا وہ دیکھ کر 'امیر' کا حال اس کے جینے کی اب تو آس نہیں

—— : o : ——

بدتر

شیخ بلاقی نام 'بدتر' تخلص، باشندۂ لکھنؤ - سبزی فروش تھا - موزوں طبع،

لطیفہ گو، زندہ دل اور حاضر جواب - امیروں، رئیسوں کو مزیدار باتوں، دلچسپ لطیفوں کے اثر سے اپنی جانب متوجہ کرلینے میں کمال رکھتا تھا - آم اور خربزے کی فروخت پر معاش کا دارومدار تھا - خربوزوں کی فصل میں خربوزے اور آم کی فصل میں قلمی اور تخمی آموں کی ڈالیاں لگاکر امیروں اور نوابوں کی ڈیوڑھیوں پر حاضر ہوتا - کچھ اچھے دار باتوں، کچھ اپنے تصنیف کئے ہوے شعروں اور غزلوں کو سنا سناکر خوش کرتا اور سودا بیچتا - وہ شاعری کے ذوق اور لطیفہ گوئی کی وجہ سے منھ لگا کر بات کرتے اور خاطر خواہ قیمت دے کر پھل خرید لیتے - دونوں فصلوں میں اتنی یافت ہوجاتی کہ میاں 'بدتر' کو ترکاری کا کاروبار کرنے کی ضرورت نہ پڑتی اور سال بھر فراغت سے بیٹھ کر شعر شاعری میں بسر کرتے -

اس کا جہل اس حد پر تھا کہ تلفظ بھی صحیح نہ تھا، (ش) کو (س) اور (ق) کو (ک) سے بدل کر استعمال کرتا لیکن طبیعت کی موزونی اور ذہن کی رسائی نے ناظم بنادیا - مشاعروں میں غزل پڑھنے کا شوق بالکل نہ تھا - ایک بات یہ بھی تھی کہ ادنیٰ پیشہ ور ہونے کی وجہ سے شعرائے وقت اپنے ساتھ بٹھانا مناسب نہ سمجھتے تھے - 'بد تر' کسی کا شاگرد نہ تھا، جو وقت پر مل گیا، غزل بنوالی اور جہاں گیا بے تکلف اشعار سنا آیا - ایک مرتبہ 'مرزا بہادر' مرزا محمد عباس علی خاں 'جگر' مرحوم رئیس لکھنؤ کے حضور میں حاضر تھا - ٹوکرے میں قلمی آم چنے ہوے سامنے رکھے تھے اور پائیں فرش بیٹھا ہوا لطائف و ظرائف بیان کررہا تھا - مرزا بہادر اور اہل صحبت 'بدتر' کی دل چسپ باتوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے - 'جگر' مرحوم کبھی کبھی مسکرا دیتے تھے اور بیچ بیچ میں اس کی طبیعت داری کے متعلق کوئی گرما گرم فقرہ بھی چھوڑتے جاتے تھے - جسے سن کر وہ نہایت عجز و انکسار کے ساتھ عرض کرتا " شاعری کیا کرتا ہوں، آم بیچنے کا ڈھنگ نکالا ہے - خدا کی عنایت اور سرکاروں کی بدولت ان دو فصلوں میں سال بھرکے لئے آسودہ

ہوجاتا ہوں"۔ ایک دعائیہ شعر بھی تصنیف کیا تھا جو ایسے موقعوں پر پڑھا کرتا تھا :

تم سلامت رہو اے آم کے کھانے والو!
ہم تو دن رات یہی دل سے دعا کرتے ہیں

شاید اس زمین میں 'بدتر' نے پوری غزل تصنیف کی ہوی لیکن حافظے کی بیاض میں کوئی شعر محفوظ نہیں رہا ' یہ شعر مشہور ہو چکا تھا جو ضبط تحریر میں آیا—

بڑا منکسر تھا ' رئیسوں کے منھ چڑھنے کے زعم میں خودکو نہ بھولا' جہاں جہاں جاتا وہاں کے عملے سے بعجز و مراعات پیش آتا۔ ایک دفعہ کسی نے مزاح کی راہ سے 'بدتر' تخلص اختیار کرنے کا باعث دریافت کیا تو جواب دیا "میاں! پڑھا نہ لکھا قوم کا کبڑیا بھی کہیں شاعری کر سکتا ہے؟ خدا کی قدرت اور لکھنو کی ہوا کا اثر ہے جو کچھ اونت پٹانگ بک لیتا ہوں ' جیسا کلام ویسا تخلص ' سچ یہ ہے کہ دنیا بھر کے شاعر خوشتر اور بلاقی بدتر ہے" —

ایک روز برسبیل تذکرہ بیان کیا کہ "مجھے دہلی جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں کے لوگوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شاعری کا ذکر چلا۔ اُن حضرات کے اشعار سنے' اپنا بکا ہوا گزارش کیا۔ سب خوش ہوے۔ تعریفوں سے حوصلہ افزائی فرمائی۔ ایک صاحب ظریف الطبع بھی تشریف فرما تھے ' میرے چھیڑنے کو یہ شعر موزوں کر کے پڑھا :—

ہیں دلی والے ' لکھنؤ والوں کے سامنے
ہو جیسے کوئی شیر غزالوں کے سامنے

مجھے یہ مذاق پسند نہ آیا۔ لکھنؤ والوں کو غزال کہہ کر شیران دہلی کا شکار بنایا گیا تھا۔ سر جھکا کر جواب دینے کی فکر کرنے لگا۔ فوراً مصرع ذہن میں آیا اور میں نے سر اُٹھا کر دست بستہ التماس کی حضور! میں نے اس شعر کو پہلے بھی سنا ہے۔ لیکن دوسرے مصرع کی ترکیب بدلی ہوئی ہے' اجازت ہوتو عرض

کروں ؟ " انھوں نے فرمایا : پڑھو ۔ میں نے پڑھا :

ہیں دلی والے لکھنؤ والوں کے سامنے
ہو جیسے بیھوا کوئی کالوں کے سامنے

اور ہاتھ جوڑ کر گزارش کی : " سرکار ! آپ لوگ بڑے آدمی ہیں، بندوق سے شیروں بھیڑیوں کا شکار کر سکتے ہیں، شجاعت و دلیری آپ کی میراث ہے، میں تکے کا کھڑیا، اتنا دل گردہ کہاں سے لاؤں جو ان خونخوار درندوں سے مقابلہ کروں ۔ میری زندگی تو کھیتوں میں گذری ہے ان کی مینڈوں پر برسات کی فصل میں اسی قسم کے کیڑے سکوڑوں کو رینگتے دیکھا ہے اور انھیں کو جانتا پہچانتا ہوں۔

'بدتر' کو لکھنؤ سے دلی محبت تھی، یہاں کے شعرا کو دنیا بھر کے شاعروں سے بہتر سمجھتا تھا اسے دہلی و لکھنؤ کے مناقشے و مناظرے بہت زیادہ متأثر کرتے۔ ان موقعوں پر جہاں تک زبان کو یارا ہوتا وہ اپنی عقل و بساط کے موافق اہل لکھنؤ کی فضلیت ثابت کرتا اور صفت و ثنا بیان کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھتا ۔ اس کے مزاج میں پر لطف شوخیاں تھیں، کوئی بات ظرافت سے خالی نہ جاتی۔ اکثر ستم ظریف حضرات 'بدتر' کو چھیڑنے کی نیت سے شعرائے دہلی کا چرچا کرتے ہوئے اُن کی فضیلت و فوقیت ثابت کرتے، جس سے بگڑے دل اسی شاعر چراغ پا ہو کر الٹی سیدھی تقریر شروع کر دیتا ۔ مگر اتنا ضرور تھا کہ اشتعال کے وقت بھی مخاطب کا ادب و حفظ مراتب فرو گزاشت نہ کرتا —

اخیر عمر میں مرض ضیق النفس میں مبتلا ہو گیا تھا، جس سے نہایت پریشان رہا کرتا ۔ ابتدا سے اکہرے ہاتھ پاؤں کا آدمی تھا، اس مرض نے کھلا کھلا کر ہڈیوں کا ڈھانچا کر دیا تھا، چند سال ہوئے (سنہ ۱۹۴۲ ع) کے کچھ قبل یا بعد فوت ہوا ۔ اپنی یادگار ایک لڑکا چھوڑا، جو فی الحال کانپور میں اپنا پیشہ کرتا ہے۔ اس کا کلام تو زیادہ تھا، لیکن وارستہ مزاجی کی بدولت سب ضائع ہو گیا، چند شعر جو بعض حضرات کے حافظے میں موجود تھے، دریافت کر کے تذکرے میں

تحریر کیے جاتے ہیں۔ ان سے میاں 'بدتر' کی طبع موزوں کا کچھ حال معلوم ہو سکتا ہے —

تڑپتا ہوں درد جدائی سے کیوں کر
اُدھر جانے والے اِدھر دیکھ لینا
جو سچ مچ ہے یہ عشق صادق ہمارا
تو خود ہوگا تم کو اثر دیکھ لینا

مر گیا وہ اس تمنا میں نہ سنا تم نے حال "بدتر" کا

وصل سے کردیا انکار' یہ کیا تم نے کیا
دیکھو! اک بات میں بس ٹوٹ گیا دل میرا!

ڈسا اُس زلف کی ناگن کا بچتا ہے کہیں 'بدتر'
مرے جینے کی' چارہ ساز کیوں، تدبیر کرتے ہیں

تم سلامت رہو اے آم کے کھانے والو!
ہم تو دن رات یہی دل سے دعا کرتے ہیں

وفا داری میں کاٹی زندگی' اُس کی سزا یہ ہے
ہماری لاش کو بھی کو بکو تشہیر کرتے ہو

اُس کی آنکھوں میں کب حیا آئی جان لینے کو یہ ادا آئی
جب سے اُس شوخ کا شباب آیا دل بیتاب کی قضا آئی

نہیں معلوم ہنسنے والوں کو   رونے والوں پہ کیا گذرتی ہے
صاف آتی ہے تیری زلف کی بو   جب اِدھر سے صبا گذرتی ہے

—— :o: ——

بشیر

محمد بشیر خاں نام ' ' بشیر' تخلص' رام پور کے رہنے والے اور خمخانۂ جاوید جلد اول کی ترتیب کے وقت ساٹھ باسٹھ برس کے تھے - سپاہیانہ وضع کے دل دادہ اور خوش باش آدمی ' شاعری کا کمال شوق تھا - ابتدائے عمر سے ایلائے سخن پر دل نثار کر چکے تھے - خیر سے تحصیل علم کی جانب میلان طبع نہ ہوا' ایکی فنون شناوری و کُشتی میں کافی مہارت حاصل کر لی - شعر و سخن سے مناسبت رکھتے تھے۔ ساتھ ساتھ مشق شاعری بھی جاری رہی - نواب فصیح الملک ' داغ ' جیسے معاملہ رس و شوخ طبع شاعر کے حضور میں زانوے شاگردی تہ کیا ' فکر رسا اور تیس بتیس برس کی متواتر و مسلسل مشق نے معقول استعداد شعر گوئی پیدا کردی - واردات قلبیہ اور معاملہ بڑی صفائی سے نظم کرتے ہیں - بیان کی روانی اور کلام کی سلاست پر نظر ڈالنے سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کسی ان پڑھ کے اشعار ہیں - بقول لالہ سر یرام مؤلف ہزار داستاں :-

" بظاہر الف کے نام بے نہیں جانتے مگر مبدء فیاض نے اس فن میں خاصہ حصہ دیا ہے - شعر اچھا کہہ لیتے ہیں اور یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کسی ان پڑھ کا کلام ہے " —

جن دنوں داغ ' مرحوم ' سرکار رامپور میں اپنے زمزموں سے اہل دربار کو مسرور کررہے تھے ' ' بشیر' کا عالم شباب تھا - ہمہ وقت استاد کی حضوری کے شرف نے آئینۂ طبیعت پر صیقل کردی تھی ' تیغ زبان کے جوہر اُبھرنے لگے تھے ؎

بالعموم ایک دو غزلیں تصنیف ہو کر شفیق استاد کے ملاحظے میں پیش ہوا کرتیں۔ حضرت 'داغ' بھی اپنے اس اُمی شاگرد کے حال پر خاص عنایت و توجہ فرماتے اور غزلوں کو زیورِ اصلاح سے مزین کرتے وقت پورا لحاظ کرتے —

جہاں یہ سب تھا، وہاں بڑی قباحت یہ بھی تھی کہ 'بشیر' معیشت کی جانب سے مطمئن نہ تھے - اکثر بے روزگاری کی وجہ سے پریشاں خاطر رہا کرتے' شاعری کے لئے جس فراغت و سکونِ قلب و دماغ کی ضرورت ہے' وہ اُنھیں میسر نہ تھا - آخر انھیں مصیبتوں سے تنگ ہو کر حیدرآباد چلے گئے اور وہیں کسی رئیس کی ملازمت اختیار کر کے کچھہ نہ کچھہ مطمئن ہو گئے - کلام یہ ہے :

گردشِ چشم سے کب یہ دلِ مضطر پھرتا
بت وفا کرتے تو اِن سے کوئی کافر پھرتا
یہ لگاوٹ' یہ کرشمے جو نہ ہوتے تجھہ میں
اے صنم کہہ تو خدا سے کوئی کیونکر پھرتا

نقدِ دل میں نے چھپایا تو برائی کیا کی
کوئی رکھتا نہیں دولت کو تونگر باہر

اُن کا وہ ناز سے کہنا کہ " عبث رو رو کر
پانی کرنا تمھیں خوب اپنا لہو آتا ہے"
دھوم رندوں میں ہے' مجلس سے نکل کر واعظ
آج میخانے میں کرنے کو وضو آتا ہے

تنہا لحد میں چھوڑ گئے آج وہ رفیق
ہوتے نہ تھے جو مجھہ سے گھڑی بھر جدا کبھی

وہ چیز تھی شراب کہ اس پر جہان میں
سب فاتحہ دلاتے جو ہوتی روا کبھی

تیغ قاتل پر گلو مقتل میں رکھہ دیں بڑھ کے خود
کر دکھائیں آج ہم بھی جو ہمارے دل میں ہے

بتوں کو بے وفا تو نے بنایا، کیا وفا کم تھی
کمی کس کی تھی، کیا شے تیرے گھر میں اے خدا کم تھی
نگاہ غور سے دیکھا تو وہ دونوں برابر تھیں
نہ فرقت تھی قضا سے کم، نہ فرقت سے قضا کم تھی
بنایا آسماں بھی اور اک بھر ستم تو نے
الٰہی! تیرے بندوں پر بتوں کی کیا جفا کم تھی

—— : o : ——

بنیاد

اِن کا نام شیخ بنیاد علی اور 'بنیاد' تخلص ہے۔ شیخ صدیقی۔ قصبۂ اُلدن ضلع میرٹھہ کے باشندے اور ایک معزز خاندان کے رکن تھے - سارے قصبے میں ان کا گھرانا عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور زمینداری پر بسر ہوتی تھی - 'بنیاد' اگلی وضع کے پابند، خلیق، متواضع اور بڑے ہی نیک مزاج واقع ہوے تھے - انھیں میرے دوست مولوی عبدالباری 'آسی' کی ہم وطنی اور قرابت کا شرف حاصل تھا - طبیعت تیز اور فکر رسا پائی تھی - قصبۂ اُلدن جس کی زمین مردم خیزی کے لئے مشہور ہے، اُسی شاعر بھی پیدا کرنے سے عاری

نہ رہی اور ' بنیاد ' جیسی ذہین شخصیت پیدا کی' جس نے بے علمی کے عالم میں اپنی نظمیں الاپ کر اہل قصبہ کو صرف محظوظ ہی نہیں بلکہ حیران و ششدر بنا دیا - چوں کہ ' الدن ' میرٹھ اور دہلی سے قریب تر واقع ہوا ہے - اس لئے ان ہر دو مقامات کی شاعری سے متأثر ہونا بعید نہ تھا - اچھا خاصا اثر ہوا' اُس کی خاک نے اچھے اچھے ادیب و شاعر پیدا کئے —

' بنیاد ' کو جب گھر کے دھندوں اور زمینداری کے مشغلوں سے نجات ہوتی تو اہل برادری کی صحبت میں جا بیٹھتے اور اُن مجلسوں کے علمی و ادبی چرچے اُن کی ذہانت و طباعی پر جلا کرتے - جب ذی اختیار ہوے تو شباب کے جوش اور ولولے نے غلط راستے پر لگا دیا - زندگی کے بیش قیمت اوقات لہوولعب میں ضائع ہونے لگے " بد کام کا بد انجام " مثل مشہور ہے' انجام کار آبائی زمینداری تلف ہو گئی اور شیخ ' بنیاد ' کی شخصیت بہ اعتبار دولت و ثروت ادنیٰ حالت پر پہنچ گئی - ادھر خانگی جھگڑوں اور باہمی مناقشوں نے عاجز و پریشان کرنا شروع کیا - خود ' بنیاد ' کے صاحبزادے مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے اور شیخ صاحب کو صدمات و آلام روحانی میں مبتلا ہونا پڑا - مصیبت کی گھڑیوں میں جب جذبات و حسیات میں ہیجانی کیفیت پیدا ہوتی ہے تو قدرتاً طبیعت کا رجحان شاعری کی طرف ہو جاتا ہے - جوانی کا زمانہ ختم کرنے کے بعد ابتدائے شیب میں ' بنیاد' کو شوق شاعری دامن گیر ہوا' چوں کہ " آلا کے راگ " سننے کا بہت شوق تھا اس لئے پہلے پہل اُسی قماش کے دوہے منظوم کئے - خود تو ایک حرف بھی لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے جو کچھ کہتے دوسروں سے لکھوالیا کرتے - شوق کی ابتدا تھی' طبیعت ہر وقت حاضر رہتی - عالم شباب کی گرم جوشیاں تو سرد پڑ چکی تھیں ' غارت گرو تباہ کن اشغال کا سلسلہ بالکل قطع ہو گیا تھا ' اب یا تو خانگی کام کاج دل بہلانے کا ذریعہ تھے یا ایلائے سخن مونس و مساز زندگی تھی - تھوڑے ہی دنوں میں دوہوں کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہو گیا - اُس زمانے میں

'آسی' نو عمر تھے لیکن شاعری کا آغاز ہو چکا تھا - شعر و سخن کی بساط بچھی تھی اور مضامین تازہ بتازہ کی چالیں چلی جا رہی تھیں۔ بنیاد کو 'آسی' سے بزرگانہ محبت تھی اکثر اُن کے یہاں نشست رکھتے ' اپنے دوھے سناتے اور اُن کے اشعار سنتے۔ لطف یہ کہ ان موقعوں پر خوردی و بزرگی کا امتیاز بالائے طاق رکھہ کر بے تکلف دوست کی طرح داد کلام دیتے اور نذرانۂ تحسین قبول فرماتے۔ اگرچہ 'بنیاد' سن و سال میں حضرت 'آسی' سے بہت بڑے تھے لیکن شوق سخن ساتھہ ساتھہ شروع ہوا تھا۔ درمیان سے تکلفات کا پردہ اٹھا دیا تھا - اس نشست و برخاست کا یہ نتیجہ نکلا کہ 'بنیاد' کی طبیعت نے پلٹا کھایا 'دوھے' اشعار اور 'لاونیاں' غزلوں کی صورت میں تبدیل ہونے لگیں - خصوصاً اس دلچسپ مشغلے نے اس وقت اور ترقی کی جب شیخ 'بنیاد' نے اپنے فرزند سے کبیدہ خاطر ہوکر علیحدگی اختیار کرکے اپنی اہلیہ کے ساتھہ جناب 'آسی' کے ہاں مستقل سکونت اختیار کرلی تھی - ان کے انتقال کو چند سال ہوے -

ترتیب تذکرہ کے وقت جناب 'آسی' نے ان کے یہ حالات بیان فرماے تھے جو ناظرین کے سامنے پیش کیے گئے -

ان کے کچھہ اشعار جناب 'آسی' کو یاد تھے جو تبرکاً درج ہیں - ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی شاعری معمولی تک بندی سے آگے نہ بڑہ سکی - نہ تو خوش گویان دھلی کی طرح کلام میں سلونا پن ہے نہ زبان کا چٹخارا - حسن تخیل تو بہت دور ہے - ہاں دیہاتی اکھڑپن ہے' جس نے ظرافت کے بدلے اشعار کو مضحک بنا دیا ہے - تاہم ایک اَن پڑہ شاعر کی تک بندی بھی کچھہ توجہ کی مستحق ہے - الحال ساڑھے تین شعر 'بنیاد' کی کائنات سخن ہیں :-

ناراض مجھہ سے غیر بھی' دشمن ہیں اپنے بھی
دھوبی کا کُتا ہوں' نہ میں گھر کانہ گھاٹ کا

حضرت کیفی کی دو نظمیں

(۱)

حسن فطرت

حسن جلباب عدم سے جو درخشاں نکلا
وجد میں کون و مکاں بیخود و رقصاں نکلا

ہے جہانگیر ضیا پاشیٔ حسن تکویں
اب تو ارمان ترا عالم امکاں نکلا؟

ہے حظوظ دل و روح بشریت اس میں
حسن کی بزم سے کوئی نہ پریشاں نکلا

موقع حیرت کا نہیں یہ تو ہے خوش مستی کا
کام تجھ سے نہ کوئی دیدۂ حیراں نکلا

ہے عدو ذہنیت خلق کا رنج اور ملال
قید اندوہ میں پھنس کر کوئی انساں نکلا؟

جو سمجھتا ہے کہ انساں ہے ضعیف البنیان
ذہن سے اُس کے نہ اندیشۂ شیطاں نکلا

حسن کو جس نے دو روزہ کہا۔ کوتہ بیں تھا
اُس کے سینے سے نہ خار غم عصیاں نکلا

گوش و گردن نے جو پھیلائے ترے دست سوال
لعل و الماس سے پُر کوہ کا داماں نکلا

عارضی زیب گلے کا جو ترے ہار ہوئی
بحر سے سلسلۂ گوہر غلطاں نکلا
حسن فطرت سے ہے انساں کی حسن آرائی
غازۂ و عطر کا گل بوٹے سے ساماں نکلا
ہے شرابور مئے حسن سے عالم کی فضا
اس کا گلشن ہی نہ اک بندۂ احساں نکلا
برق کا ہے وہ تبسم کہ ہے وہ خندۂ گل
حسن ہر رنگ میں، ہر شان میں رخشاں نکلا
حسن کا ہے یہ وفور، اس کو نہ کہہ دے لتنگی
رنگ بھی سینے سے غنچے کے پر افشاں نکلا
دُرّۃ التاج سعادت ہے پرستاری حسن
نفس کا لوٹ ہی برہم زن ایماں نکلا
پرّۂ کاہ ہے یا ہے گل و برگ گلبن
حسن ہر رنگ معین سر و ساماں نکلا
ہے گل حسن سے لبریز یہ دنیا، کیفی!
نظر قاب کا بھی تنگ ہی داماں نکلا

---

(۲)

زمانہ یہ نہیں ماضی کی داستاں کے لئے

نسیم باغ ارم ہے صبا! جہاں کے لئے
نہیں وہ روح رواں صرف گلستاں کے لئے

ہے مہر و ماہ کا فیض ایک سا ہر اک شے پر
یہ رات بات کے دیوے ہیں کُل جہاں کے لئے

زباں بنی ہے بشاشت کا راگ گانے کو
نہ داستان غم و حسرت و فغاں کے لئے

ڈھلینگے دیدۂ دل، چھوڑ گریہ، رہ آئنہ
ہے سرمہ خاک الم چشم خوں فشاں کے لئے

تو مست کھا کے ہے پھل اور سونگھہ کر یہ پھول
نہ تھے مزے یہ مشام اور فقط وہاں کے لئے

ہو نور حسن جو دل میں تو ہر نفس تیرا
شمیم باغ جناں ہو مشام جاں کے لئے

سمجھ کے زیست دو روزہ کیوں ہوا مایوس
جہاں ہے تیرے لئے اور تو جہاں کے لئے

جو موت آنی ہے، آکر رہیگی اپنے آپ
تو پالتا ہے یہ کیوں روگ اپنی جاں کے لئے

شباب جیسے کہ بچپن کے بعد لابد ہے
اسی طرح ہے بڑھاپا بھی ہر جواں کے لئے

بنی ہے تیری ہی خاطر تو ساری موجودات
زمیں کا لقمہ نہ تو جور آسماں کے لئے

جو کائنات کا خلاق ہے خدا تیرا
تو دل میں آگ نہیں کیوں ہر انس و جاں کے لئے

ہے وقت، حل ہو معمّاے حال و استقبال
زمانہ یہ نہیں ماضی کی داستاں کے لئے

میاں جو ہے اُسے پنہاں پہ چھوڑتا کیوں ہے
کیا یہاں کا ہی کام آئیگا وہاں کے لئے
نہیں ہے تجھہ میں جو ایثار اور جاں بازی
تو منہہ اُٹھائے چلا کیوں ہے امتحاں کے لئے
ہو جس میں حوصلہ وہ تک گائے یہ ساغر
ہے ظرف کی بھی ضرورت مئے مغاں کے لئے
اٹل ہے عزم ہی تیرا نہ حوصلہ ہی بلند
مزے کس لئے پھر تو نے آسماں کے لئے
رہیں بخت کا اختر بھی اوج پر ہوگا
بفیکے اور ستارے جب آسماں کے لئے
قوی دلوں کو ہے میدان امتحاں دنیا
تماشا گاہ ہے اک قلب ناتواں کے لئے
وہ آئیں بزم عمل میں جو کام کے ہیں لوگ
جگہ، نہیں یہ تماشائی نوحہ خواں کے لئے
تسلی رکھہ، ابھی ترکش سے آیا چٹکی میں
جو تیر چاہئے اس سینۂ تپاں کے لئے
جو حوصلوں کو اُبھارے وہ جذب شان قلم
اُجالے قلب کو یہ شرط ہے بیاں کے لئے
تو کیا غرابت و تعقید لے کے بیٹھا ہے
دلوں پہ قبضہ ہی معراج ہے زباں کے لئے
غزل نے پائی ہے، کیفی! نئی نرالی شان
یہ ظرف تنگ نہیں ہے مرے بیاں کے لئے

مقدمہ چمنستان شعرا*

(از اڈیٹر)

رائے لچھمی نرائن تخلص 'شفیق' و 'صاحب' کے والد رائے منسارام نواب نظام الملک آصفجاہ مرحوم کے عہد میں پیشکار صدارت شش صوبۂ دکن تھے† - رائے منسارام اپنی ایک کتاب‡ کے شروع میں لکھتے ھیں کہ "بندۂ عقیدت شناس منسارام آصفجاھی ابن بھوانی داس غازی الدین خانی' نبیرۂ بال کشن عابد خانی نے تخمیناً مدت پچاس سال اس سرکار دولت مدار میں اپنی زندگی بڑی اچھی طرح بسر کی' صدارت کل کی خدمت انجام دی اور مورد عاطفت و شفقت رہا" —

'شفیق' کھتری قوم سے تھے اور ان کے بزرگ لاھور کے رھنے والے تھے - ان کے دادا بھوانی داس لشکر عالمگیری کے همراہ دکن میں آے اور اورنگ آباد میں سکونت پذیر ھوگئے - رائے منسا رام کو صغر سنی ھی میں یتیمی کا داغ نصیب ھوا - سن شعور کو پہنچکر ایسی لیاقت حاصل کی کہ نواب مغفرت مآب آصف جاہ اول کے عہد میں پیشکار صدارت صوبجات دکن کی خدمت پر فائز ھو گئے - منسا رام چار پشت سے خاندان آصف جاہ کے نمک خوار تھے —

رائے منسارام محض دفتر کے پیشکار یا سررشتہ دار ھی نہ تھے بلکہ تاریخ و

---

* یہ کتاب حال ھی میں انجمن ترقی اردو نے نہایت اهتمام سے شایع کی ھے - اور قابل دید ھے حجم تقریباً ۶۰۰ صفحے —

† شام غریباں' باب آخر — ‡ مآثر نظامی —

انشا کا بھی ذوق رکھتے تھے اور صاحب تالیف و تصنیف ہوے ہیں- ایک کتاب اُن کی 'مآثر نظامی' ہے - یہ کتاب اُنھوں نے اس زمانےمیں لکھی تھی' جب ناموافق حالات کی وجہ سے خانہ نشین ہوگئے تھے - اس کتاب میں نواب نظام‌الملک آصف جاہ اول کے حالات ہیں- ابتدا میں ان کے بزرگوں کا بھی تذکرہ آگیا ہے- یہ حالات کچھہ تو مصنف کے چشم دید ہیں اور بعضے ایسے ہیں جو ثقات سے معلوم ہوے' اور بعض حالات خود نواب آصف جاہ مرحوم کی زبان مبارک سے سننے میں آے - یہ کتاب ۱۲۰۰ھ میں مرتب ہوئی - اور جب اُنیس سال کی گمنامی اور گوشہ نشینی کے بعد "حضرت مرشد زادۂ آفاق مہین پور خلافت و ریاست ...... نواب عالی جاہ بہادر اسد جنگ" نے یاد فرمایا تو یہ رسالہ بطور تحفہ حضور میں پیش کیا - ان کی دوسری تالیف "قانون دربار آصفی" ہے - یہ کتاب بھی زمانۂ گوشہ نشینی کی لکھی ہوی ہے - سنہ تالیف ۱۱۷۵ ھ ہے- اس میں ضوابط دربار کے علاوہ بعض بعض بڑے کام کی باتیں بھی آگئی ہیں - مؤلف نے آخر میں لکھا ہے کہ یہ کتاب میں نے دو روز میں لکھی —

اس سے یہ معلوم ہوگا کہ 'شفیق' ایسے گھرانے میں پیدا ہوے تھے' جہاں علمی چرچا تھا اور خود اُن کے والد صاحب تالیف و تصنیف تھے - 'شفیق' کی ولادت سنہ ۱۱۸۵ ھ میں ہوئی- یہ وہ زمانہ ہے جب کہ شمالی ہندوستان سے لے کر دکن تک ریختہ گوئی کی گرم بازاری ہے اور منجملہ دوسرے شہروں کے اورنگ‌آباد بھی مرکز شعر و سخن بنا ہوا ہے - اگرچہ اس وقت ذرائع آمد و رفت کی یہ آسانیاں نہ تھیں جو اس وقت ہیں' لیکن اس پر بھی شمال کے اساتذہ کا تازہ کلام یہاں پہنچتا رہتا ہے ' بڑے اشتیاق سے پڑھا جاتا ہے اور مشہور خاص و عام ہوجاتا ہے' جس سے صاحب ذوق لوگوں کے دلوں میں نئی نئی اُمنگیں پیدا ہوتی ہیں اور وہ ان باکمال اساتذہ کی تتبع کرنے کی کوشش کرتے ہیں —

'شفیق' کی تعلیم رواج زمانہ کے مطابق فارسی' عربی' صرف و نحو' انشا وغیرہ میں ہوئی اور جیسا کہ خود اُنھوں نے اس تذکرے میں لکھا ہے' شیخ عبدالقادر صاحب

سے کتب متعارفہ کی سند حاصل کی - بدوسن شعور ھی سے ان میں شعرو سخن کا ذوق پیدا ھوگیا تھا اور گیارا سال کی عمر سے شعر کہنے لگے تھے - میر غلام علی 'آزاد' بلگرامی جن کا شمار ھندوستان کے جید علما میں ھے اور جو فن شعر گوئی اور تاریخ میں یدطولیٰ رکھتے تھے ' دکن ھی میں تھے - 'شفیق' کو ان سے تلمذ کا شرف حاصل ھوا - لکھتے ھیں کہ " میر عبدالقادر 'مہربان' نے جو حضرت ' آزاد ' کے تلامذہ میں سے تھے ' مجھے " صاحب " تخلص عنایت فرمایا - غزلیات کا دیوان جس میں تقریباً دو ھزار بیت تھے' مرتب کیا - لیکن جب ذرا استعداد بڑھی اور اصطلاح شعرا اور قواعد شعرا میں مہارت حاصل ھوئی تو اُسے تقویم پارینہ سمجھ کر نظر انداز کردیا - اب کہ میری عمر اٹھارا سال کی ھے ' مجھے یہ معلوم ھوا کہ ایک صاحب میر محمد مسیح کا تخلص فارسی میں 'صاحب' ھے تو میں نے " مہر صاحب و قبلہ " (آزاد بلگرامی) سے تخلص کی التجا کی - آپ نے ازراہ شفقت "شفیق" تخلص عطا فرمایا - چونکہ میرے ریختے عوام و خاص میں مشہور ھو چکے تھے' اس لئے ریختے میں "صاحب" ھی تخلص رھنے دیا اور جن بحروں میں " شفیق " نہیں کھپ سکتا وھاں نا چار " صاحب " ھی رکھنا پڑا - اس نئے تخلص کی خوشی اور شکریے میں وہ ایک قطعہ موزوں کرتے ھیں اور " تخلص نوی " اس کی تاریخ نکالتے ھیں - مہربان" شفیق' کے خاص دوستوں میں سے تھے - ان کے حالات میں ان کی بہت تعریف کی ھے —

میر غلام علی ' آزاد' ۱۱۵۲ ھ (۱۷۴۰ ع) میں اورنگ آباد وارد ھوے اور بابا شاہ مسافر کے تکیے میں قیام کیا اور سات سال یہیں بسر کردئے - ' آزاد ' کی عمر کے اڑتالیس سال دکن ھی میں گزرے اور یہیں وفات پائی اور خلدآباد میں پیوند زمیں ھوے - آپ کے فیض صحبت سے دکن کے اکثر باکمال مستفیض ھوے - انھیں میں ' شفیق' تھے - ' شفیق ' کو ' آزاد' سے کمال عقیدت مندی تھی اور جہاں کہیں ان کے تالیفات میں ' آزاد ' کا نام آیا ھے تو اُن کا ذکر بڑے ادب و احترام اور

خلوص و ارادت سے کرتے ہیں اور ہر جگہ انھیں " میر صاحب قبلہ" " پیر و مرشد " یا قبلہ و کعبۂ بر حق " اور اپنے آپ کو "غلام" لکھتے ہیں - (غالباً اس میں ' آزاد ' کے لفظ کی رعایت بھی ملحوظ ہے) ۔ 'گل رعنا' میں 'آزاد ' کا تذکرہ تفصیل سے لکھا ہے - اپنے کلام میں جا بجا حضرت کے کمال اور اپنے تعلقات و عنایات کا ذکر کیا ہے ۔ ایک پر زور قصیدہ اُن کی مدح میں لکھا ہے :—

للہ الحمد صبا مژدۂ عشرت لائی ۔۔۔ کہ بہار اب کے تجمل سے چمن میں آئی
شاہ گل تخت چمن پر ہے بصد زینت وناز ۔۔۔ سرو و شمشاد ہیں استادہ وہاں مجرائی

بہار یہ تشبیب کے بعد گریز کی ہے :—

طبع حضرت سے مگر وام کرے رنگینی ۔۔۔ اب جو کرتی ہے بہار ایسی چمن آرائی
یعنی وہ حضرت 'آزاد' کہ خورشید و قمر ۔۔۔ آستاں اُس کی پہ رکھتے ہیں جبیں فرسائی
قبلۂ ہر دو جہاں ' مرشد ارباب سلوک ۔۔۔ ختم ہے ذات مبارک پہ کرم فرمائی
علم منقول میں اُس کو دم عیسیٰ ہے گا ۔۔۔ علم معقول میں اُس کو ہے ید بیضائی
قمریان عرب اُس کی ہیں ثناخوانی میں ۔۔۔ عندلیبان عجم کی ہے سخن پیرائی
بسکہ رکھتا ہے سخن بیچ وشیریں کاری ۔۔۔ ہند کے طوطیوں کو اُس سے ہے شکر خائی
نگہ لطف مرے پر ہے ہمیشہ مبذول ۔۔۔ مجکو زیبا ہے غلامی ' اُسے ہے آقائی

اس کے بعد دعا ہے اور دعا کے بعد یہ مقطع ہے :—

فارسی شعر کہو مدح میں اُس کی "صاحب" ۔۔۔ کہ ملے تجکو خطاب ملک الشعرائی

اسی طرح ایک پوری غزل ' آزاد ' کی شان میں کہی ہے - غزل کیا ہے ' گویا اپنے پیر و مرشد کی شان میں چھوٹا سا قصیدہ ہے :—

سرور ہر دو جہاں آزاد ہے ۔۔۔ والی کون و مکاں آزاد ہے
کنت کنزاً کے معانی پر خبیر ۔۔۔ واقف سر نہاں آزاد ہے
مرکز ادوار چرخ چنبری ۔۔۔ قطب الاقطاب زماں آزاد ہے

اسم اعظم ہے زباں زد اس کے تئیں   جس کے تئیں ورد زباں آزاد ہے
خورد و بزرگ کے تئیں یہاں ہے رسوخ   مرشد پیر و جواں آزاد ہے
ایک دم میں دین و دنیا بخش دے   جس کے اوپر مہرباں آزاد ہے
دل سے اب 'صاحب' ہوا ہے کا غلام   بادشاہ انس و جاں آزاد ہے

کہاں تک لکھوں ' 'شفیق' کی عقیدت کے اظہار کے لئے یہ بہت کافی ہے -
حضرت آزاد کا ذوق سخن محتاج بیان نہیں ' ایسے صاحب ذوق اور با کمال لوگ کم ہوتے ہیں - ان کا کلام اور ان کی تصنیفات اس کی شاہد ہیں - اس کے ساتھ تاریخ و سیرت کا ذوق بھی اعلیٰ درجے کا تھا - ان کے تذکرے اس فن کے بہترین نمونے ہیں - مآثر الامرا ' جو تاریخی لحاظ سے بےمثل کتاب ہے' انھیں کے فیض اثر کا نتیجہ ہے' بلکہ بہت کچھ حضرت 'آزاد' ہی کی قلم کی ممنون ہے - ادب میں ان کی نظر بہت وسیع تھی اور تحقیق و تلاش میں وہ اپنا جواب نہیں رکھتے تھے - اچھا استاد دنیا کی بہترین نعمتوں میں سے ہے - 'شفیق' بڑا خوش قسمت تھا کہ اُسے 'آزاد' سا استاد ملا - اس نے بھی استاد کے قدم بقدم چلنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی - شاعر تو وہ لڑکپن سے تھا ' فارسی اور اردو دونوں میں اس کا کلام موجود ہے اگرچہ کم یاب ہے - اس کے علاوہ اس کی تصنیفات و تالیفات دو قسم کی ہیں - ایک تو شعرا کے تذکرے اور دوسری تاریخی کتابیں - یہاں اُن تالیفات * کا مختصر سا ذکر کیا جاتا ہے —

تاریخ

——(حقیقت ہائے ہندوستان)——

'شفیق' اس کتاب کی حقیقت دیباچے میں اس طرح لکھتے ہیں

---

* اس مقدمے میں رائے منسا رام اور 'شفیق' کی تالیفات کا ذکر آیا ہے ' اُن میں سے تنمیق شگرف ' حالات حیدرآباد ' ریو کی فہرست سے ماخوذ ہیں ' باقی کتابیں میرے پاس موجود ہیں —

کہ " راقم کے والد رائے منسا رام نے جو چار پشت سے نمک خوار خاندان آصفی ہیں - سنہ ۱۲۰۴ ھ میں اورنگ آباد سے فردوں کے چند طباق میرے پاس حیدرآباد بھیجے - یہ میرے جد ماجد کے لکھے ہوے تھے ' جو سرکار حضرت کلاں علیہ المغفرۃ و الراضون میں خدمت مستوفی گری اور پیشکاری صدارت امکنۂ ھندوستان پر فائز تھے ' یہ فردیں نواب مغفرت مآب نظام الملک کے دستخط سے مزین تھیں - لیکن ان میں سے بعض بو سیدہ ہو گئی تھیں اور اکثر کرم خوردہ تھیں - ان فردوں میں قدیم زمانے کے مختلف سنین سے سنہ ۱۱۳۹ ت تک کے مداخل و مخارج و جمعیت سپاہ وغیرہ کا حساب بطور سیاق و اصطلاح اہل جرائد میں درج تھے - ان سب کو سادہ عبارت میں تحریر کیا اور رقمی اعداد کو الفاظ میں لکھا اور اس کے علاوہ دوسری معلومات بھی فراہم کر کے مناسب مقامات پر اضافہ کیں —

یہ کتاب ' شفیق ' نے اُس وقت کے رزیڈنٹ اور اپنے سرپرست کپتان ولیم پیٹرک کے لئے تالیف کی - کتاب کے نام سے اس کا سنہ تالیف (۱۲۰۴ ھ) نکلتا ہے ' اس میں چار مقالے ہیں : —

مقالۂ اول میں دفتر قدیمہ کی فردوں کی کیفیت ہے —

مقالۂ دوم میں صوبہ ہاے ھندوستان کا حال ہے —

مقالۂ سوم میں صوبجات دکن کا ذکر ہے —

مقالۂ چہارم میں مسلمان سلاطین ہند کا مختصر حال ' سلطان معزالدین سام سے لے کر شاہ عالم بادشاہ تک ہے —

یہ کتاب اچھی ضخیم ہے اور اس میں ہر سرکار پرگنہ اور حویلی کے مداخل اور سمت اور فاصلہ درج ہے - ضمنی طور پر مختصر تاریخی واقعات بھی آ گئے ہیں - غرض یہ کتاب اپنی نوعیت کے لحاظ سے بہت قابل قدر ہے —

—— (تنمیق شگرف) ——

یہ بھی دکن کی تاریخ کے متعلق ہے - مختلف صوبوں کے جغرافی اور تاریخی حال اور اعداد و شمار ہیں اس کے بعد سلاطین بہمنیہ کا ذکر ہے جو تاریخ فرشتہ سے ماخوذ ہے ۔ سلطنت بہمنیہ کے زوال پر جو حکومتیں قائم ہوئیں (یعنی عادل شاہی، نظام شاہی، عماد شاہی، قطب شاہی، برید شاہی، اور خاندیس کے فاروقی سلاطین) اُن کا مختصر حال ہے - آخر میں سلاطین تیموریہ کا ذکر سنہ ۱۲۰۰ ھ تک ہے - یہ نام بھی تاریخی ہے، جس سے سنہ تالیف ۱۲۰۰ ھ نکلتا ہے - یہ کتاب حیدرآباد کے رزیڈنٹ مسٹر رچرڈ جانسن کے نام معنون ہے —

—— (مآثر آصفی) ——

یہ خاندان آصف جاہ کی تاریخ ہے، یعنے خواجہ عابد (نظام الملک آصف جاہ اول کے دادا) سے لے کر آصف جاہ ثانی تک کے حالات ہیں، مرہٹوں نے جو ہندوستان پر حملہ کیا تھا اس کا بھی ذکر ہے - نیز اس زمانے کے امرا اور راجاؤں کے حالات بھی لکھے ہیں - یہ کتاب سنہ ۱۲۰۸ ھ میں تالیف ہوئی —

—— (بساط الغنائم) ——

یہ مرہٹوں کی تاریخ ہے - اور یہ کتاب اس نے سر جان ملکم کی فرمائش سے لکھی، جو اس وقت حیدرآباد میں تھے، اس میں مرہٹوں کی تاریخ ابتدا سے مؤلف کے وقت تک کی ہے - اس کا ایک حصہ 'شفیق' نے کسی مرہٹی تاریخ سے ترجمہ کیا ہے - نام تاریخی ہے جس سے ۱۲۱۴ ھ نکلتا ہے —

—— (حالات حیدرآباد) ——

اس میں بلدۂ حیدرآباد کی مساجد، محلات و باغات اور شہر کی مختصر تاریخ ہے، بیدر اور ورنگل کے حالات بھی درج ہیں - یہ کتاب بھی سنہ ۱۲۱۴ ھ کی تالیف ہے —

——

تذکرے

—— (شام غریباں) ——

یہ تذکرہ اُن ایرانی شعرا کا ہے جو کسی نہ کسی وجہ سے ہندوستان میں وارد ہوے - نام بھی مضمون کی مناسبت سے رکھا ہے - اگرچہ حالات بہت مختصر ہیں ' مگر کتاب دلچسپ ہے اور اشعار کا انتخاب خوب ہے - لطائف و ظرائف سے خالی نہیں - بعض بعض جگہ اشعار کے متعلق خاص نکات بھی بیان کر دیے ہیں —

—— (گل رعنا) ——

یہ ہندوستان کے فارسی گو شعرا کا تذکرہ ہے ' اس میں وہ ایرانی نژاد بھی ہیں جن کے باپ دادا ہندوستان میں آے اور یہیں رہ گئے اور ہندی نژاد بھی - اس میں دو فصلیں ہیں : ایک میں " شعراے اسلامیاں " کا اور دوسری میں "نکتہ پردازان اصنامیاں" کا تذکرہ ہے - یہ تذکرہ "شام غریباں" سے بہت بڑا ہے ' اور اکثر حالات بھی مفصل بیان کئے ہیں- اپنے استاد 'آزاد' بلگرامی کا تذکرہ تفصیل سے لکھا ہے- 'اکبر' کا حال کوئی ۴۶ صفحوں میں ہے ' مگر سب ملا عبدالقادر بدایونی کی تاریخ سے ماخوذ ہے - افسوس کہ 'شفیق' نے اس میں تحقیق سے مطلق کام نہیں لیا- وہ اس مورخ کے ادعاےراست‌گوئی کو اس کے جذبات تعصب و حسد و رشک سے جدا نہ کرسکے - علامہ ' فیضی ' کے حالات بھی بلا کم و کاست بدایونی سے نقل کردیے ہیں- 'شفیق ' بدایونی کو بالکل نہیں سمجھے —

' شام غریباں ' کے مقابلے میں اس تذکرے میں تاریخی واقعات اور لطائف و ظرائف بھی زیادہ ہیں - بعض بعض مقامات پر اشعار کی شرح بھی کردی ہے اور ان کے نکات بھی بتادیے ہیں - مثلاً میر محمد افضل الہ آبادی ' ثابت ' کے ایک قصیدے میں کثرت سے طبی تلمیحات و اصطلاحات ہیں' اس کے اشعار نقل

کرکے ان تمام تلمیحات و اصطلاحات کی شرح لکھی ہے - اسی شاعر کا ایک دوسرا معرکے کا قصیدہ ہے ، اس کا انتخاب درج کیا ہے اور اس کے مشکل مقامات کا حل بھی لکھ دیا ہے - یہ تذکرہ ہر لحاظ سے قابل قدر ہے —

—— (چمنستان شعرا) ——

یہ ریختہ گو شعرا کا تذکرہ ہے - 'شفیق' لکھتے ہیں کہ " جب ہندوستان سے تازہ تازہ میر محمد تقی 'میر' اور فتح علی خاں کے تذکرے پہنچے تو سارے عالم میں غلغلہ پڑگیا اور اشعار ہند کے اشتیاق میں ایک دنیا تہ و بالا ہوگئی، کیونکہ اہل دکن کو ان اشعار کا بہم پہنچنا دشوار ہے - اس لئے میری فکر ناقص میں یہ بات آئی کہ ان دونوں تذکروں کے اشعار اوں اور دوسرے جواہر پارے ان کے ساتھ ملا کر ایک سفینہ تیار کروں - اس تقریب سے بعض احباب سخن داں کے حالات و کلام کے جمع کرنے کا موقع بھی مل جائے گا - دوست احباب نے بھی اس کی تائید کی بلکہ اصرار کیا اور میں اس کتاب کے لکھنے پر آمادہ ہوگیا '' —

'شفیق' نے اس تذکرے کی ترتیب میں عجیب جدت دکھائی ہے - اب تک جتنے فارسی اردو کے تذکرے لکھے گئے ہیں (سوائے میر صاحب کے تذکرے کے ' جس میں کوئی ترتیب نہیں) ان میں ناموں کی (یعنی تخلصوں کی) ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے ہے ' لیکن ' شفیق ' نے اس تذکرے کی ترتیب حروف ابجد یعنی حساب جمل کے لحاظ سے رکھی ہے - اس میں کوئی خاص خوبی نہیں معلوم ہوتی ' نہ خود مؤلف نے اس کی کوئی وجہ بتائی ہے - سوا اس کے کہ جوانی کی ترنگ کہا جائے اور کیا کہہ سکتے ہیں —

جوانی کا زمانہ ہے ' عبارت میں رنگینی پائی جاتی ہے ' بعض اوقات تشبیہات و استعارات میں باتیں کرتے ہیں - جہاں کہیں موقع ملتا ہے' شاعر کے تخلص یا اس کے پیشے وغیرہ کی مناسبت سے اُسی قسم کے الفاظ اور تشبیہات

میں اس کا حال لکھنا شروع کردیتے ہیں (مثلاً ملاحظہ ہوں : آشنا ' آوارہ ' بہار داوّد ' خاکسار ' ذکی ' محمد علی حشمت ' مخلص ' ناطق وغیرہ کے حالات) لیکن عبارت گنجلک نہیں ' بیان صاف اور شستہ ہے اور زبان پر قدرت ہے - کہیں کہیں میر صاحب (میر تقي) کی طرح اصلاح بھی دے دیتے ہیں - یا شعر میں کوئی کنایہ یا خاص نکتہ ہوتا ہے تو اُس کی طرف بھی اشارہ کردیتے ہیں ' جس سے ' شفیق ' کی سخن فہمی اور سخن سنجی کا اندازہ ہوتا ہے —

اگرچہ ' شفیق ' نے اپنے تذکرے کی بنیاد میر صاحب اور فتح علی کے تذکروں پر رکھی ہے لیکن ان کے علاوہ جہاں جہاں سے جو جو حالات مل گئے ہیں حوالے کے ساتھہ اُن کا بھی اضافہ کردیا ہے - چنانچہ کتاب کے مطالعے میں بعض جگہ شاہ عبدالحکیم ' حاکم ' کے تذکرۂ ' مردم دیدہ ' اور تذکرۂ ' مجمع النفائس ' تالیف سراج الدین خان آرزو ' سرو آزاد ' اور حاجی علی ' اکبر ' رتال اور رضا خان ' انوار ' کی بیاضوں کا حوالہ ملے گا —

بعض اوقات اشعار کے متعلق مغالطہ ہوجاتاہے اور یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض اشعار خصوصاً مشہور اشعار مختلف شعرا کے کلام میں پائے جاتے ہیں ' شفیق ' نے اس باب میں بڑی احتیاط اور تحقیق سے کام لیا ہے - جن اشعار کا پتا نہیں چلا وہ تذکرے کے آخر میں جمع کر دیے ہیں کہ ان کا پتا چلانا دشوار ہے' خصوصاً اہل دکن کے لئے ' کیونکہ ایک ہی تخلص کے کئی کئی شاعر ہیں - ہندوستان سے اشعار اکثر صرف تخلص کے ساتھہ آتے ہیں - اور نادان پڑھنے والے سب کو خلط ملط کر دیتے ہیں اور یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ شعر حقیقت میں کس کا ہے —

' شفیق ' ہر شاعر کے تذکرے میں انصاف کو ملحوظ رکھتا ہے اور کبھی کسی پر ناگوار نکتہ چینی نہیں کرتا - چنانچہ ' یقین ' کے بیان میں خود لکھتا ہے کہ " جب کسی شاعر کے کلام میں کوئی ثقیل مصرع نظر پڑا تو خود ایک

دوسرا مصرع لکھ دیا ہے اور ساتھ ہی یہ کہہ دیا ہے کہ یہ مصرع بھی خوب معلوم ہوتا ہے "- اپنے مصرع کو ترجیح نہیں دی ' بلکہ پڑھنے والے کی پسند پر چھوڑ دیا ہے —

لیکن ' یقین ' کا تذکرہ مستثنیٰ سمجھنا چاہئیے - اس میں اس نے اس قدر مبالغے بلکہ غلو سے کام لیا ہے کہ خلاف عادت ' شفیق ' کو اپنی طبیعت پر قابو نہیں رہا ' وہ اسے اردو کا سب سے بہتر شاعر خیال کرتا ہے اور ہند و دکن میں کسی کو اس کی ٹکر کا نہیں سمجھتا - کہتا ہے کہ " اگر چہ میرزا سودا کا غزل ' رباعی ' مخمس ' مثنوی ' قصیدے ' قطعہ بند وغیرہ میں بڑا رتبہ ہے ' اور وہ بہت عالی تلاشی کرتے ہیں ' لیکن ' یقین ' کے ریختے میں کچھ اور ہی فصاحت و ملاحت ہے :-

اگر ہزار برس تک یہ میرزا ' سودا '
کرے جو فکر تتبع ' یقیں ' کا از دل و جاں
کہے گا معنی باریک و خوب و شیریں تر
ولے نزاکت و یہ لطف و یہ قبول کہاں ؟

وہ یکتائے عصر اور یگانۂ زمانہ ہے اور ایسا معنی آفریں اور نکتہ رس دنیا میں پیدا نہیں ہوا " - میر صاحب نے اپنے تذکرے میں جو ' یقین ' پر طعن و تعریض کی ہے اور اسے " متبدل بند " کہا ہے اور سرقے کا الزام لگایا ہے تو اس پر ' شفیق ' آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور میر صاحب کو خوب سخت سست کہتا ہے ' ' سودا ' نے جو میر صاحب کی ہجو کہی تھی ' اسے نقل کرکے اُس کی داد دیتا ہے - اس کے بعد ' توارد ' و ' سرقہ ' پر بحث کی ہے ' دوسرے علما کے اقوال نقل کئے ہیں اور خود اپنا قطعہ بھی جو اس مضمون پر لکھا ہے نقل کیا ہے - غرض میر صاحب کے خلاف خوب زہر اُگلا ہے اور خود میر صاحب کے ذکر میں بھی اُن کی حرف گیری پر چوٹ کی ہے —

غرض ' یقین ' کی شاعری کا بہت بڑا مداح اور معتقد ہے اور اُس کی تقلید کو فخر سمجھتا ہے - اپنے کلام میں کہیں کہیں اس کا اشارہ کیا ہے - مثلاً ایک غزل کا مقطع ہے :

دیوان ' یقیں ' خوش خط ' صاحب' نے لکھا یاہے
اوراق طلائی پر کھینچی ہیں کی تحریریں

یقین کا تذکرہ اور کلام تقریباً ۶۴ صفحوں میں درج ہے - اسی سے قیاس ہو سکتا ہے کہ وہ اس شاعر کو کیاسمجھتا تھا —

حاجی میر علی اکبر رمال ' حاجی ' سے ' شفیق ' نے رمل وغیرہ کی تحصیل کی تھی - ' حاجی ' کے تذکرے میں خود بھی اپنے اظہار کمال کے لئے ایک زائچہ دیا ہے ' جس سے عام ناظرین کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی ' اِسے ایک نوجوان طالب علم کا شوق نمود و نمائش سمجھنا چاہئیے —

'شفیق ' کا تذکرہ میر صاحب اور فتح علی کے تذکروں سے بڑاہے اور بہت سے ایسے شعرا کا تذکرہ درج ہے ' جو ان دونوں میں نہیں پایا جاتا - بہت سے ایسے ہیں جو 'شفیق' کے ہم عصر ہیں اور جن سے اس کی ذاتی ملاقات ہے اور خود ان شاعروں سے اُن کا منتخب کلام لے کر درج تذکرہ کیا ہے - ایسے حالات خاص طور پر قابل اعتبار ہیں —

سب سے قابل تعریف بات یہ ہے کہ 'شفیق' نے یہ تذکرہ ۱۸ برس کی عمر میں لکھنا شروع کیا اور بغیر کسی کی مدد کے بہت تھوڑے عرصے میں ختم کر دیا - اس عمر میں ایسی اچھی کتاب کا تالیف کرنا اعجاز سے کم نہیں' اس سے ' شفیق' کی غیر معمولی ذہانت اور لیاقت معلوم ہو تی ہے - کتاب کا نام " چمنستان شعرا " تاریخی ہے اور اس سے ۱۱۷۵ھ سن تالیف نکلتا ہے —

جہاں تک تحقیق کیا گیا ' اس تذکرے کا صرف ایک ہی نسخہ ہے' جو کتب خانۂ آصفیۂ سرکار عالی حیدر اباد میں ہے اور یہ بھی کرم خوردہ ' فرسودہ اور

مشکوک ہے - یہ اسی نسخے کی نقل ہے - اس کی تصحیح میں بیحد دقت اٹھانی پڑی ' بعض عبارتیں اصل کتب سے ' جو اس کا ماخذ ہیں ' صحیح کرنی پڑیں ' کہیں قیاس سے کام لینا پڑا اور بعض بعض مقام پر کچھ الفاظ جو کتاب کے ازلی کیڑے چٹ کر گئے ہیں' ویسے ہی چھوڑنے پڑے اور اُن کی جگہ نقطے دے دیے ہیں ' بہت سے اشعار جو تذکرے میں مشکوک یا کرم خوردہ تھے ' شعرا کے اصل دیوانوں سے تلاش کر کے لکھے گئے - بعض الفاظ جو مشتبہ تھے اور ان کی صحت نہ ہو سکی' ان کے سامنے استفہام کی علامت لکھ دی گئی ہے - اس کے بعد بھی ممکن ہے کہ غلطیاں رہ گئی ہوں ' اگر دوبارہ اشاعت کی نوبت آئی تو جہاں تک ممکن ہوگا اصلاح کی کوشش کی جائے گی —

ایک کام اس کی ترتیب میں اور کیا گیا ہے' جسے غالباً ناظرین پسند فرمائیں گے ' یعنی ' تحفة الشعرا ' تالیف افضل بیگ خاں قاقشال اورنگ‌آبادی (سنہ تالیف ۱۱۶۵ ھ) سے اُن ریختہ گو شعرا کا حال اور کلام جو ' شفیق ' کے ہاں بھی پائے جاتے ہیں حاشیے میں درج کردیا ہے - جن جن شاعروں کا اس میں اُردو کلام نہیں وہاں صرف حالات ہی لکھ دیے گئے ہیں اور جہاں حالات میں کوئی نئی بات نہیں ہے وہاں صرف کلام پر اکتفا کیا گیا ہے - مشترک کلام ہر جگہ خارج کردیا گیا ہے - بعض شاعر ایسے بھی ہیں ' جن کا ذکر ' چمنستان' میں نہیں ہے ' اُن کا حال اور کلام ہر حرف کے آخر میں درج کردیا گیا ہے - اس سے پڑھنے والوں کو ضرور بصیرت ہوگی اور وہ ' تحفة الشعرا ' کے مطالعے سے مستغنی ہو جائیں گے - یہ تذکرہ 'چمنستان' سے پہلے کا لکھا ہوا ہے- اصل میں یہ تذکرہ فارسی گو شعرا کا ہے' اس میں ضمناً ایسے شعرا بھی آگئے ہیں جو اُردو میں بھی شعر کہتے تھے بعض شعرا کے حالات اس میں کسی قدر تفصیل سے لکھے ہیں —

—— (شفیق کا کلام) ——

'شفیق' کے اُردو کلیات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پر گو شاعر تھا ' زبان پر قدرت تھی اور شاعری کے نکات سے خوب واقف تھا۔ اور اس کا کلام شعر کی تقریباً ہر صنف میں موجود ہے۔ اگرچہ وہ اردو کا اعلیٰ درجے کا شاعر نہیں ہے مگر اوسط درجے کے شعرا میں اس کا پایہ بہت بلند ہے۔ غزلوں کے علاوہ قصیدوں اور مثنویوں میں خوب زور دکھایا ہے۔ شہر آشوب ' و اسوخت ' مخمس ' مثلث ' رباعیاں اور تضمینیں بھی لکھی ہیں۔ ان نظموں سے کہیں کہیں ' شفیق ' کے ذاتی حالات کا پتا چلتا ہے۔ مثلاً ' شفیق ' نواب نظام علی خاں آصف جاہ ثانی کے فرزند میر احمد علی خاں عالی جاہ کے متوسلین میں سے تھے۔ یہ بڑے قدر داں اور ' مہزور ' رئیس تھے اور ' شفیق' کو انہیں کی سرکار سے تعلق تھا۔ ان کی مدح میں اس نے کئی قصیدے لکھے ہیں۔ چنانچہ ایک قصیدے میں صاف صاف نام اور پتا بتا دیا ہے :—

یک زبردست ہے مرا والی
یک قوی دل مرا ہے پشت و پناہ
حق و باطل ہے سامنے جس کے
یوں عیاں جس طرح سفید و سیاہ
یعنے نواب میر احمد خاں
اسدالملک حضرت عالی جاہ
باپ جس کا نظام دولت و دیں
جد ہے جس کا جناب آصف جاہ

ایک دوسرے قصیدے میں لکھتے ہیں :

جناب پاک یعنے میر احمد خاں عالی جاہ
کہ جس کی عمر و دولت کا نگہباں ایزد سبحاں

آگے چل کر سفر میں رہنے کی صعوبت اور اپنے ضعف کی شکایت کی ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی ملازمت ایسی تھی، جس میں دورہ کرنا پڑتا تھا - چنانچہ کہتے ہیں :—

مگر فضل خداوندی مری اب دستگیری کر
نشست شہر فرماوے عنایت کر کے نیم ناں

آخر میں اپنے لڑکے کے لیے درخواست کی ہے :—

مدد خرچ اب مرا دستخط ہوے اس بندہ زادہ کو
تعیں ہو ڈیوڑھی کا بلدہ کی جب تک کہ ہے ناداں

ایک اور قصیدے میں بھی اپنے آقا کا نام اور خطاب کا ذکر کیا ہے :—

چراغ دودۂ حیدر جناب میر احمد خاں
کہ جس کے جد کے تیں چرخ بریں سے ذوالفقار آئی
وو اسدالملک اسداللہ اس کا بانہہ بل ذت ہے
کہ جس کی دھاک سے شیروں کو تب بے اختیار آئی
نظام الدولہ آصف جاہ کا فرزند ارشد ہے
کہ دولت جس کے در پہ جبہہ سا امیدوار آئی

ایک صاحب سے 'شفیق' کو بے حد الفت ہے اور اکثر غزلوں میں انتہائے محبت سے " میرا میاں میرا میاں " کر کے اُسے یاد کیا ہے - بعض غزلیں کی غزلیں اس کی یاد میں (" میرا میاں " کی ردیف میں) لکھ ڈالی ہیں - ایک قصیدہ بھی اسی ردیف میں لکھا ہے اور بڑے شوق اور محبت سے اس کا ذکر کیا ہے - جس کے دوچار شعر یہ ہیں :-

ہے مرا ایماں و جاں میرا میاں — مجکو ہے وردِ زباں میرا میاں
انتظاری کی نہیں طاقت مجھے — جلد آ میرے میاں میرا میاں
گل ملے بلبل کو اور قمری کو سرو — میرے تیں میرا میاں میرا میاں

ایک غزل میں معمے کی طرز میں نام بھی بتا گئے ہیں اور وہ نام
" شکرو میاں " ہے —

'ذکا' (سید امتیاز خاں) سے بھی اپنی عقیدت کا بار بار اظہار کیا ہے :-

عقیدت ہے 'ذکا' سے میرے تیں از بسکہ اے 'صاحب'
مجھے ورد زباں ہے رات دن یا پیر یا ہادی

ایک دوسری غزل کے مقطع میں کہتے ہیں :

یک آن جدائی نہ ہو 'صاحب' سے 'ذکا' کو
اللہ کرے میری جو نیت ہے بر آوے

'شفیق' کو ادبی تحقیق و نکات سے خاص ذوق تھا- توارد پر جو بحث اس نے کی ہے اور ایک غزل کے ضمن میں جو قطعہ توارد پر لکھا ہے وہ سب اس تذکرے میں موجود ہے- اردو کلیات میں ایک قصیدہ نظر پڑا جس کا مطلع یہ ہے:-

ساقی اس ابر مشک فام کو دیکھ   اِس طرف دیکھ مے کے جام کو دیکھ

کچھ شعر لکھنے کے بعد گریز کی ہے اور الفاظ کے متحرک و ساکن ہونے کی بحث کا ذکر کیا ہے- معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے ایک ہم عصر " مفتوں " نے ان کے ایک لفظ پر اعتراض کیا تھا- اس کا جواب دیا ہے- 'شفیق' نے ختم (بسکون تا) کو ختم (بہ فتح تا) لکھ دیا تھا - معترض کی تردید اور اپنی تائید میں یہ اشعار لکھے ہیں:-

گر ختم کہوے ختم کو " صاحب "   ہے روا حرکت مقام کو دیکھ
ریختہ کی زباں میں یہ غلطی   ابتدا سے ہے انتظام کو دیکھ
'آبرو' زلف کو زلف بولا   اور الفاظ نا تمام کو دیکھ
نقل ہے وقت مغرب 'اعظم شاہ'   یوں کہا اپنے یک غلام کو دیکھ
ہووے " اسواری " اس گھڑی تیار   سیر چاہے ہے جی یہ شام کو دیکھ
مولوی 'جیون' اوستاد شاہ   تب کہے یوں تو اس پیام کو دیکھ

لفظ 'اسواری' نیں سواری ہے　　کچھ تو اس صحت کلام کو دیکھ
شاہ نے تب تو یہ جواب دیا:　　میری طرز سخن تمام کو دیکھ
یہ عبارت کہا میں ہندی میں　　اس میں جائز ہے تو نظام کو دیکھ

'شفیق' کی یہ راے بالکل صحیح ہے کہ عربی کے جو لفظ عام طور پر اُردو میں بہ تبدیل حرکت وغیرہ بولے جاتے ہیں اور جو زبان زد خاص و عام ہوگئے ہیں وہ اسی طرح فصیح ہیں' خواہ وہ اصل لغت کے اعتبار سے غیر صحیح کیوں نہ ہوں - ہر زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ جب اس میں دوسری زبانوں کے الفاظ داخل ہوتے ہیں تو لہجے کے تغیر سے کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور ہوجاتی ہے —

علاوہ غزلوں اور قصیدوں کے 'شفیق' کا زور کلام دیکھنا ہو تو اُن کی مثنوی "تصویر جاناں" دیکھنی چاہیے جو رسالۂ 'تجلی' حیدرآباد دکن میں شائع ہو چکی ہے - اس میں بڑا زور سراپا کے بیان میں دکھایا ہے - اگرچہ یہ مضمون بہت پامال ہے اور ہمیشہ بھونڈا اور بے مزہ ہو کر رہ جاتا ہے اور یہی حال اس مثنوی کے سراپا کا بھی ہے' تاہم اس سے 'شفیق' کی قادر کلامی کا اندازہ ہوتا ہے —

اگر کوئی 'شفیق' کے نام اور حال سے واقف نہ ہو اور اس کا کلام پڑھے تو کبھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کا لکھنے والا ہندو ہے - وہ تمام بزرگان دین اسلام کا ذکر اُسی ادب' احترام اور عقیدت سے کرتا ہے' جیسے کوئی سچا اور پکا مسلمان - اور یہ کوئی تصنع سے نہیں بلکہ در حقیقت دل سے اور عقیدت سے ہے - معراج کے بیان میں جو مثنوی لکھی ہے اور جو "اردو" میں شائع ہوچکی ہے' اُسے دیکھئے' کوئی مسلمان اس سے بڑھ کر کیا لکھے گا - اردو کلیات میں ان کے متعدد قصیدے حضرت علی کی شان میں ہیں - امام آخرالزماں کی منقبت میں کئی قصیدے ہیں - ایک قصیدہ حضرت غوث‌الاعظم جیلانی کی مدح میں ہے - ایک حضرت گیسو دراز بندہ نواز کی

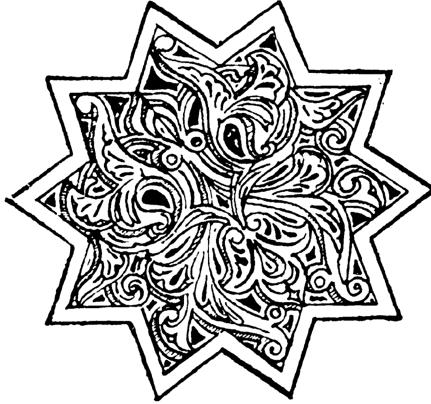
تعریف میں - علاوہ ان قصائد کے اُن کے تمام کلام میں جہاں کہیں مسلمانوں کے بزرگوں اور اولیا کا ذکر آتا ھے تو وہ اُن کا نام اور ذکر اسی عقیدت اور ارادت سے کرتا ھے جیسے مسلمان - اس کے کلام میں اسلامی تلمیحات کثرت سے آتی ھیں ' بر خلاف اس کے ھندو دیوتاؤں وغیرہ کا ذکر شاذ ھی کہیں آیا ھو تو آیا ھو - یہ تعلیم ' صحبت ' ماحول اور اس زمانے کے اقتضا کا اثر تھا - آج کل کے لوگوں کو شاید یہ چیزیں پڑھ کر حیرت ھو ' لیکن یہ اُس زمانے کی یادگاریں ھیں ' جب ھندو مسلمان بھائی بھائی کی طرح رھتے سہتے تھے اور کسی کو کسی سے پرخاش نہ تھی - یہ خوش حالی ' امن و آزادی اور ترقی کی شان تھی - جب افلاس کا منحوس قدم آیا تو جہالت ' تنگ دلی ' تعصب اور نا عاقبت اندیشی نے ایسا اندھا کردیا کہ وہ اپنے پاؤں پر خود کلھاڑی مارنے لگے - ایک دن آے گا کہ وہ اپنے کئے پر پچھتائیں گے اور گلے مل مل کر اپنے آنسوؤں سے اس داغ کو دھوئیں گے —

' شفیق ' نے " حسب حال زمانہ " کے عنوان سے ایک شہرآشوب بھی لکھا ھے ' جس کے ابتدائی چند شعر یہ ھیں :—

ایک دن دل نے کہا مجھہ سے کہ 'صاحب' سُن اِدھر
کیوں ریاست دن بدن ایسی ذلیل اور ھے بتر
اس دکن کے بیچ چھہ صوبوں کے چھہ تھے بادشاہ
عادل اور فیاض' صاحب عزم اور صاحب ھنر
اُن کی دولت میں مرفہ اور سبھی خوش حال تھے
کیا رعیت' کیا سپاھی' کیا امیر نامور
آسماں ووھی ھے اور ووھی زمیں' خلقت ھے وو
پھر ھوئی کس واسطے یہ زندگانی مختصر

شامت نیت ہے یا تدبیر میں ہے کچھ قصور
تب تو دشواری پڑی ہے ہر کسی کو اس قدر

زمانے کی یہ شکایت ہر عہد میں رہی ہے اور رہیگی۔ آسمان نے ہزاروں رنگ بدلے، دنیا نے سینکڑوں پلٹے کھائے، مگر انسان کی شکایت کم نہ ہوئی۔ بے عیب نہ کوئی کتاب ہے، نہ کوئی آدمی، نہ کوئی نظام ہے اور نہ کوئی زمانہ۔ یہ نقص کسی نہ کسی صورت میں رہتی دنیا تک رہے گا۔ بلاشبہ انسان کے کمال کی آزمائش اسی میں ہے —



بادۂ کہن

مرزا غالب کی ایک غیر مطبوعہ غزل

مرزا مرحوم نے خواجہ میر درد کی مشہور غزل پر غزل لکھی تھی جو دیوان مطبوعہ میں نہیں۔ اب یہ غزل اردو میں اشاعت کے لئے بھیجتا ہوں جو ابھی ابھی مکرمی مولانا سید زاہد حسین صاحب زاہد سہارن پوری نے مرحمت فرمائی ہے۔ (صفدر)

۱ ممکن نہیں کہ بھول کے بھی آرمیدہ ہوں
میں دشت غم میں آہوے صیاد دیدہ ہوں

۲ ہوں دردمند جبر ہو یا اختیار ہو
گہہ نالۂ کشیدہ گہہ اشک چکیدہ ہوں

۳ جاں آئی لب پہ تو بھی نہ شیریں ہوا دہن
از بسکہ تلخی غم ہجراں چشیدہ ہوں

۴ نہ سبحہ سے علاقہ نہ ساغر سے واسطہ
میں معرض مثال میں دست بریدہ ہوں

۵ ہوں خاکسار پر نہیں مجھکو کسی سے لاگ
نہ دانۂ فتادہ ہوں نہ دام چیدہ ہوں
۶ ظاہر ہیں میری شکل سے افسوس کے نشاں
خارِ الم سے پشت * بدنداں گزیدہ ہوں
۷ ہوں گرمئی نشاطِ تصور سے نغمہ سنج
میں عندلیبِ گلشنِ ناآفریدہ ہوں
۸ ہرگز کسی کے دل میں نہیں ہے مری جگہ
ہوں میں کلامِ نغز ولے ناشنیدہ ہوں
۹ جو چاہیے، نہیں وہ مری قدر و منزلت
میں یوسفِ بقیمتِ اوّل خریدہ ہوں
۱۰ اہلِ ورع کے زمرے میں ہر چند ہوں ذلیل
پر عاصیوں کے فرقے میں میں برگزیدہ ہوں
۱۱ پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسدؔ
ڈرتا ہوں آئینے سے کہ مردم گزیدہ ہوں†

---

* (ن) چوں شانہ پشت دست —

† شعر ۶ و ۷ دیوانِ غالب مطبوعۂ بدایوں کے نسخے میں بھی درج ہیں۔ نسخۂ حمیدیہ میں اسی ردیف اور قافیے میں دو غزلیں ہیں، لیکن اُن میں بھی بجز اِن دو شعروں کے باقی شعر نہیں ہیں۔ (اڈیٹر)

قدیم اردو

حسن شوقی

از

(اڈیٹر)

---

(۱)

حسن شوقی عادل شاہی شعرا میں سے ہے اور سلطان محمد عادل شاہ (۱۰۳۷ تا سنہ ۱۰۶۷ ھ) کے عہد میں تھا - اس کا پتا اس بات سے لگتا ہے کہ اس نے ایک نظم " میزبانی نامۂ سلطان محمد عادل شاہ " لکھی ہے، جس کا ذکر آگے آے گا - افسوس ہے کہ اس کا حال مجھے کسی تذکرے میں نہیں ملا - لیکن اتنا ضرور معلوم ہے کہ اپنے زمانے کے مشہور شعرا میں سے تھا - چنانچہ ابن نشاطی نے اپنے قصۂ پھولبن کے آخر میں جہاں چند مشہور اور نامور دکنی شعرا کا ذکر کیا ہے، وہاں حسن 'شوقی' کا بھی نام لیا ہے —

حسن شوقی اگر ہوتا فی الحال   ہزاراں بولیجتا رحمت منج اپرال

پھولبن کا سنہ تصنیف ۱۰۶۶ ھ ہے - معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حسن شوقی کا انتقال ہو چکا تھا —

علاوہ غزلیات کے مجھے حسن 'شوقی' کی دو نظمیں ملی ہیں - ایک

" فتح نامۂ نظام شاہ " یا " ظفر نامۂ نظام شاہ " اور دوسری " میزبانی نامۂ سلطان محمد عادل شاہ " ۔ فتح نامے یا ظفر نامے کے میرے پاس دو نسخے ہیں، جن میں سے ایک نسخہ ناقص ہے ۔ ناقص نسخے کے آخر میں اشعار زائد ہیں ۔ ان میں فتح کا سنہ بھی دیا ہے اور نظام شاہ کو بہت بہت دعائیں دی ہیں ۔ جیسے کوئی زندہ شخص کو دعائیں دیتا ہے، مثلاً :

سدا جیو راجے جلم راج کر　　بسے اگ دنیا فت نیا کاج کر
مبارک ظفر آسمانی اچھو　　تجے فتح نصرت سبحانی اچھو

یہ فتح سنہ ۹۷۲ ھ میں ہوی اور ظاہر ہے کہ اس وقت شوقی زندہ نہیں تھا ۔ اس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ اشعار الحاقی ہیں ۔ اسی نسخے کے آخر شعر میں شاعر کا تخلص بھی ہے ۔ دوسرے نسخے میں یہ شعر نہیں ہے —

یہ جنگ جس کی فتح اس مثنوی میں منائی گئی ہے، تالی کوٹ کی مشہور لڑائی ہے ۔ اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ اُس زمانے میں وجیا نگر کی حکومت نہایت شان و شوکت کی تھی ۔ رام راج نے تمام باغی راجاؤں کو مغلوب کر لیا تھا اور اس کی سلطنت کرشنا سے لیکر راس کماری تک پھیلی ہوی تھی اور رفتہ رفتہ گوداوری کے دھانے تک پہنچ گئی تھی ۔ اور بہت سے راجا اس کے باج گزار تھے ۔ اس وقت جنوب میں رام راج سے بڑھ کر کوئی طاقتور اور زبردست راجا نہ تھا اور اس کی دولت اور شان کی کوئی انتہا نہ تھی ۔ بہمنی سلطنت کے زوال پر جو مسلمان حکومتیں اس کی جگہ قائم ہوئیں، ان کی باہمی نزاع سے وجیا نگر کی قوت اور بڑھ گئی اور کرشنا اور تنگ بھدرا کا دوآبہ بھی ایک طرح سے رام راج ہی کے زیر اثر آگیا ۔ اس قوت اور عروج کے گھمنڈ پر رام راج نے طرح طرح کی دست درازیاں شروع کیں ۔ تالی کوٹ کی جنگ سے چند سال قبل رام راج نے عادل شاہ سے مل کر نظام شاہ کو سخت شکست دی اور اس کے سارے ملک کو تباہ و برباد کردیا ۔ نظام شاہ مجبور ہو کر اپنے دارالحکومت احمد نگر میں

محصور ہو گیا - یہاں رام راج اور اس کے سرداروں نے بہت بد عنوانیاں کیں - مسجدیں توڑ ڈالیں ، مشائخ قتل کردیے گئے ، عورتوں کی آبرو ریزی کی اور اسی قسم کی شرمناک حرکتوں کے مرتکب ہوے - مسلمان بادشاہ اس سے بہت بر افروختہ ہوے - لیکن اس سے بھی بڑھ کر جو بات ان بادشاہوں کو ناگوار خاطر تھی وہ رام راج کا غرور و تکبر تھا - وہ پہلے کی طرح کبھی اُن سے خلوت میں نہ ملتا اور جب کبھی دربار میں بلاتا تو سیدھے منہ بات نہ کرتا اور دیر تک کھڑا رکھتا - سواری کے وقت انھیں ساتھ ساتھ پیدل چلاتا ، جب اجازت دیتا تو سوار ہوتے - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علی عادل شاہ ، ابراھیم قطب شاہ، نظام شاہ اور برید شاہ نے متحد ہو کر اس پر لشکر کشی کی - رام راج کو اپنی قوت اور دولت پر اس قدر گھمنڈ تھا کہ اس نے اس کی مطلق پروا نہ کی - وہ سمجھتا تھا کہ اِن چھوکروں کو ایک ھی حملے میں پسپا کردوں گا - اگرچہ بہت بڈھا تھا مگر خود میدان کار زار میں پہنچا - بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی - مختصر یہ کہ رام راج اسی میدان میں مارا گیا اور وجیا نگر کی پر شان و شکوہ سلطنت کا ھمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا —

' شوقی ' نے اس جنگ کا حال شاعرانہ طرز پر لکھا ھے - لیکن سوال یہ ھے کہ اس کا نام " فتح نامۂ نظام شاہ " کیوں رکھا ھے - وجہ یہ ھے کہ ایک تو حسین نظام شاہ کو رام راج بہت ذلیل کر چکا تھا اور وہ انتقام کی فکر میں تھا - دوسرے نظام شاہ نے اس جنگ میں بڑی دلیری اور شجاعت دکھائی - قلب لشکر اسی کے زیر کمان تھا - جب ھندوؤں کی فوج نے یمین ویسار سے ایک شدید حملہ کیا تو مسلمان فوج کے پانو اکھڑ گئے - اس سے علی عادل شاہ اور قطب شاہ پر مایوسی چھا گئی اور انھوں نے بھاگنے کی فکر کرنی شروع کی - مگر نظام شاہ قلب لشکر میں برابر جما رھا اور اس زور سے غنیم کے حملے کا جواب دیا کہ رام راج کے لشکر میں کھلبلی پڑ گئی - شامت اعمال سے یہ

دیکھہ کر راجا تخت سے اُتر کر پھر سنگھاسن میں سوار ہو گیا کہ اتنے میں نظام شاہ کا ایک مست ہاتھی غلام علی نامی وہاں آ پہنچا اور آدمیوں کو پامال و ہلاک کرنے لگا - کہار (بھوئی) اِس پریشانی میں سنگھاسن پٹک کر بھاگ نکلے - اتنے میں کہ راجا سنبھلے سنبھلے مسلمان فوج کا ایک دستہ آ پہنچا اور وہ اُسے پکڑ کر نظام شاہی توپ خانے کے افسر رومی خاں کے پاس لے گئے - رومی خاں نے نظام شاہ کے حضور میں پیش کیا - نظام شاہ نے فوراً حکم دیا کہ اس کا سر قلم کر کے نیزے کی نوک پر چڑھایا جاے اور مشتہر کیا جاے تاکہ غنیم کو حقیقت حال معلوم ہو جاے - اس لحاظ سے بھی فتح کا سہرا نظام شاہ ہی کے سر رہا — یہی وجہ ہے کہ 'شوقی' نے اس فتح کو نظام شاہ سے منسوب کیا اور اپنی نظم کا نام " فتح نامۂ نظام شاہ " رکھا —

شروع میں چند شعر حمد میں ہیں:

الٰہی کرم کا کرنہار توں　　ہے اوّل و آخر رکھنہار توں

سو قادر ہے قائم تو پروردگار　　توں نادر ہے دائم اپیں برقرار

کیا ہور کرتا کرے کا سو ہوئی　　ترے باج ہرگز کرے نا کوئی

دو چار اور شعر لکھنے کے بعد دو شعر نعت میں ہیں اور اس کے بعد آغاز جنگ شروع ہو جاتا ہے - پہلا عنوان یہ ہے :

" شروع جنگ کردن رام راج و نظام شاہ و عادل شاہ و قطب شاہ و برید شاہ "

ابتدا میں شاعر بیان کرتا ہے کہ دنیا میں کیسے کیسے شجاعت اور دولت اور نام والے لوگ ہوے ہیں ' جن کی شہرت اور کار نامے اب تک یاد گار ہیں - اور اس ضمن میں سکندر ' نوشیرواں ' جمشید ' حمزہ ' محمود غزنوی ' رام چندر ' کشن ' ارجن ' شدّاد ' ہامان وغیرہ کے نام گناتا ہے - پھر کہتا ہے کہ انسان کی خوبی اُس کے افعال سے ہے اور ہر ملک اور قوم میں اچھے لوگ ہوتے ہیں —

سدا ہے سو بھر پور دریا کوں جل　　شرت ہے سیپی کوں سو موتی بدل

شرف مرد کا ہے چلنت خوب خاص جو پھولوں کی خوبی سوں پھولوں کی باس
ہر ایک ملک میں نیک رفتار ہے ہر ایک قوم میں نیک گفتار ہے

اس کے بعد ہر ملک کی خاص خاص خوبیاں بیان کرتا ہے اور ملک دکن کو سب سے افضل ٹھیراتا ہے :

خراساں کے شاہاں ہیں شمشیر بند روہیلے پٹھاناں و گرزی کمند
عرب ہور عجم ملک لڑنے کو زور وو رایل جیتے راج ہیں دزد چور
وو حکمت کرا ملک ہے روم و شام طرف کربلا کے شہیداں تمام
وو ایران و توران ہور ملک سند اہیں پر عقل بادشاہاں ہند
ہنر کا جیتا لوک ہے مغربی وو جامع اہیں گنجم کے مغربی
وو قبطی فراست میں ہیں زور ور شمالی جیتے بے فہم گاو خر
سو افضل میانا ہے ملک دکن ہوے یاں کے شاہاں جیتے خوش لکھن

اب دکن کے بادشاہوں کا ذکر کرتا ہے :

عادل شہ لکھا ویں علی کے غلام نظام شاہ بہری لکھا ویں نظام
عدل گاد ہور دے دھش کو اگل * کیا بادشاہی سو بازو کے بل
قطب شہ کے گھر میں سدا راجوت † بریدی تھے جزوی جیو کے گھت ‡

اس کے بعد آپس میں عہد و پیمان کرنے اور متحد ہو کر رام راج سے لڑنے کا ذکر کرتا ہے :

اپس میں اپیں دوست سب مل ہوے محبت سوں اخلاص یک دل ہوے
نزاع دل میں کا دور کیتے نفاق اپس میں اپیں مل کئے اتفاق
یو سب مل کے ایسا کئے یک پنا جو اِس کفر کو مار کرنا فنا
کئے بھاگ سوگند و عہد استوار یو غازی غزا پر ہوے برقرار

---

* بڑھا ہوا ، سبقت لے جانے والا - † بادشاہی ‡ قوی -

نکو تر بلانی جو شب درمیاں * دیکھیں کیا چرخ پھیر ہے آسماں

اس کے بعد دوسرا عنوان یہ ہے :

"رائے اندیشیدن رامراج باوزیران خود برائے جنگ کردن بہ نظام شاہ"

اس کی ابتدا شاعر نے سورج کے ڈوبنے، رات کے آنے اور چاند کے نکلنے سے کی ہے اور اپنی شاعری کا کمال دکھایا ہے - یہ نظامی وغیرہ فارسی شعرا کی تقلید کی ہے لیکن ہندی الفاظ اور ہندی خیال کی آمیزش نے اسے کچھ کا کچھ بنا دیا ہے - یہاں چند شعر نمونے کے طور پر لکھے جاتے ہیں :

وو محبوب نس† کی سنواری اپس   مرصع زرینا نکارو‡ اپس

سو کونکم و کیسر چوا ہور چندن   لیتے مشک کے اونٹ چندر بدن

کھولے بال سر کے سو کالے دراز   سنواری بیٹھی لیکہ اپنا سو ساز

وہ موتی نگن کے سو تارے ہوئے   وو سیس$ پھول سارے ستارے ہوئے

اس منظر کے بیان میں کوئی چوبیس شعر لکھے ہیں، آخری شعر یہ ہیں :

ڈوبی قاب زریں سو غرقاب میں   گئی ہور زنگی کرے§ خواب میں

حبش نے پھواں چیر سر پر لیا   ترک دیکھ پر نار سر* تل کیا

حبش تی جو پرُت ہوا چند روپ   حبش نے جنے ترک چیدی سروپ

بیٹھا کاگ کالا اوڑیا راج ہنس   اوٹھی سیام سندر سو تاراج اونس

پڑیا پھول پر جب بھنور پنکھ پسار   چھپیا ترک زنگی کھڑا آشکار

بیٹھی ¶ دمن اوپر آؤ کر کال جو   ہوا سورتل چاند اوپراں جو

---

* " مترس از بلائے کہ شب درمیان است " کا ترجمہ ہے -

† رات   ‡ نکھاری $ سر   § کے

¶ مطلب یہ کہ خزانے پر کالا سانپ آبیٹھا، یعنی اندھیرا ہوگیا، سورج غروب ہوگیا اور چاند طلوع ہوا -

اس سمے میں رام راج تخت پر آکر بیٹھتا ھے اور دربار کرتا ھے

بیٹھا، رام تب آ سیاسن* اوپر مکٹ† مال گل‡ گھال$ ابرھن§ اوپر

سو ڈنڈوت کئے آؤ کر راے سب جتے راے رایل پڑے پاے سب

اب وہ خلوت میں خاص خاص مصاحبوں اور ارکان سلطنت کو بلا کر مشورہ لیتا ہے اور کہتا ھے کہ نظام شاہ نے میرے دل میں گھاؤ ڈال دئے ھیں، تمام دنیا میری حکومت کو مانتی اور مجھے خراج دیتی ھے۔ بڑے بڑے راجہ مجھے تحفے بھیجتے ھیں، لیکن یہ ترک مجھے خاطر میں نہیں لاتا، نہ یہ دیو کو مانتا ھے نہ پری کو خراج دینا تو درکنار اور ڈراتا اور دھمکاتا ھے۔ آج چار دانگ عالم میں میرے نام کا ڈنکا بج رھا ھے - اس کی کیا یہ حقیقت ھے۔ اب تم مجھے سوچ کر مشورہ دو کہ اس معاملے میں کیا کروں —

کیا رام خلوت منے انجمن بلایا جتے راے اور راے زن

چندر بھان یلتم وینکٹا دھری¶ جلن بھار سوں دھرتری تھرتھری

رتن جرت چوکی دھریا سامنے کہیا بیس۞ مجھ آ منے سامنے

کہیا رخت ہوات کے تم تھانب ♄ ھیں تمہیں مرد میداں کے رن کھانب ♉ ھیں

تمہیں پانچ تن ملکہ ♌ یک بد کہو تمہیں پانچ جن ملکہ یک سد کہو

بہوت دن تی چھاتی منے سل ㉕ اھے نظامیا سوں مجھے آج سو دل ♆ اھے

اس کے بعد کا عنوان یہ ھے :

" راے دادن وزیراں رام راج را درباب جنگ نظام شاہ "

سب وزیر اور مشیر یک زبان ھوکر کہتے ھیں کہ آج دنیا میں تیرا وہ

---

* سنگھاسن، تخت † تاج ‡ گلے کا ھار $ ڈالکر

§ جواھرات، لباس فاخرہ ¶ رام راج کے بھائی کا نام تھا

۞ بیٹھ۔ ♄ تھم، ستون ♉ کھم، ستون یعنی جنگ کے ستون -

♌ ملکر ㉕ کرب، بے چینی، تکلیف ♆ جنگ

زور ھے کہ کسی راجہ یا بادشاہ کی مجال نہیں کہ تیرے سامنے آنکھ اُٹھا سکے۔ تو وہ شہ زور ھے کہ شیر اور سیمرغ تیرے آگے کبوتر کے بچے ھیں۔ نظام شاہ بچارے کی کیا حقیقت ھے —

کہاں رام راجا کہاں شاہ حسین
کہاں بحر قلزم کہاں قلتبین

توں گرمی منے شاہ تی کم نہیں   توں سردی منے ماہ تی کم نہیں
اندھارے اجالے کوں توں دھوپ چھاؤں   خرابی کو تو نگرہ* و بستی کو گانوں
وو گرمی کرے توں تو سردی سوں ٹال   وو سردی کرے توں تو گرمی سوں جال†

یہ سب کچھ کہنے کے بعد یہ رائے دی کہ حسین نظام شاہ کو لکھا جائے کہ وہ نقد و جواہر، اسلحہ، عود و عنبر اور ملک میدان (توپ) وغیرہ وغیرہ بطور خراج کے بھیجے۔ اس مشورے کے مطابق اب خط لکھنے اور بھیجنے کی تیاری ھوتی ھے —

"نامہ نوشتن رام راج بہ نظام شاہ و طلب کردن بعضے اشیاے عجائب"

نامے کے شروع میں خدا کی حمد و ثنا ھے، اس کے بعد لکھا ھے کہ کفرو اسلام میں کوئی فرق نہیں، سب میں اس کا جلوہ ھے اور انسان انسان سب ایک ھیں

توں شداد ھور عاد نمرود کوں   جدا کر نہ بوجھے توں معبود سوں
اگر فیل و مور اژدر و بق اھے   ھر یک شے منے مظہر حق اھے
توں کرتا ھے انکار کفار سوں   نہ کفار سوں بلکہ کرتار سوں
اھے کفر و اسلام کرتار کا   جو جینے میں تھا گا سو زنار کا
ولے جو ھوا سو موحد ھوا   موحد ھوائیں سو ملحد ھوا
کہے شیخ سعدی نے عالم کو پند   بنی آدم اعضاے یک دیگرند

پھر ھدایت کی ھے کہ تو گاے کا گوشت کھانا چھوڑ دے۔ مکے کی جگہ

---

* چٹان   † جلا

ترمل کو سمجھہ اور عرب کی بجاے جنگموں کی پرستش کر - یلورا اور دولت آباد کی حفاظت کر

قوی کر یلورے کی بنیاد کوں جو خجلت اچھے قصر شداد کوں
نہ کم مان دے دولت آباد کوں نہ سر پار کر دیکھہ شہشاہ کوں

غرض اس قسم کی نصیحتیں کرنے کے بعد یہ کہتا ہے کہ میرے خراج کو خدا کی ذکات سمجھہ اور یہ یہ چیزیں فوراً بھیج دے۔ اس میں گھنے، زیور، جواہرات، ھتیار، طوائف، رنڈیاں، ڈومنیاں، ساطان فیروز کی زبر جد کی صراحی اور یاقوت کا پیالا، دنیا بھر کی چیزیں آجاتی ھیں - اس کے بعد لکھتا ہے کہ یہ خراج تونے مجھے بھیج دیا تو اس کے صلے میں میں تجھے احمد نگر بخشدوں گا۔ خط کے آخر میں فخر یہ اشعار ھیں - جن میں یہ دھمکی بھی دی ھے کہ اگر تعمیل نہ کی تو نظام شاھی حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا

نہ ترکاں‌کوں چھوڑوں نہ ترکی کہان اگر گیو رستم هو حاضر ضمان
نہ چھوڑوں مُلانا نہ چھوڑوں فقیر نہ بڑ کا نہ لڑکا نہ ہرنا نہ پیر
اوک دور بنیاد اسلام کی جو مانے درا ھی • جگت رام کی

یہ خط لے کر ھری داس ایلچی نظام شاہ کے ھاں پہنچا - بادشاہ خط پڑہ کر مسکرایا اور مشورت کے لئے وزیروں کو طلب کیا

" طلب کردن نظام شاہ وزیران خود را و بایشاں مشورت کردن"

شروع میں چند اشعار سورج کے ڈوبنے اور چاند کے نکلنے پر ھیں - شب میں بادشاہ کا دربار ہوتا ھے اور اس دربار کا ٹھاٹ بیان کیا ھے- جب سب امیر وزیر جمع ھو گئے تو نام لے لے کے سب کو مخاطب کیا اور رام راج کا خط سنایا اور نہایت جوش اور غصے سے اس کے تمرد اور جبرو تعدی

• آقائی

اسلام کی بے حرمتی اور مسجدوں کے انہدام کا ذکر کیا اور کہا کہ مجھے اس وقت تک چین نہیں آے گا جب تک اس مردود کا سر قلم نہ کردوں

نہ مجھہ آس دھن دین کی ریس ھے
مرا کھرک * اور رام کا سیس † ھے

" جواب دادن وزیران نظام شاہ را درباب فکر رام راج "

وزیروں نے جواب دیا :—

نکر فکر کچھہ رام کے کام کی — نہ اس رام کی بل ھریرام کی
تجھے فوج مد سکندرا ھے — اتاقا سو جبریل کا پرا ھے
تجھے چرخ بازو کھرک برق ھے — اُسے سنگ خارا اگر فرق ھے

غرض اسی طرح نظام شام کی تعریف اور رام راج کی مذمت ھے۔

" نامہ نوشتن نظام شاہبہ رام راجدر جواب او "

دبیر شاھی کو جواب لکھنے کا ارشاد ھوا اور اس نے حمد و ثنا سے نامہ شروع کیا - پھر بہت سے مقدس بزرگوں؛ مقدس کتابوں اور چیزوں کی قسمیں کھا کر رام راج کو ھدایت کی ھے:

نہ پتیاو ‡ کچھہ زور کے تیں — نکہ راکھہ وزن ترازو کے تیں
نکر کچھہ بھروسا کہ آپار § مال — گھنا مال جس تس گھنا گو شمال
بتی جال نا جال فانوس کوں — نگہ راکھہ توں اپنے ناموس کوں

یعنے اپنے زور بازو پر گھمنڈ نہ کرو اور ترازو کے وزن کا دھیان رکھو۔ اپنی بے شمار مال ودلت پر بھروسا نہ کرو ' کیونکہ جس کے پاس دولت زیادہ ھے ' اُسے مصیبتیں بھی زیادہ بھگتنی پڑتی ھیں - بتی جلاتے جلاتے فانوس نہ

* تلوار † شر — ‡ گھمنڈ کرنا § بے شمار —

جلا دینا اور اپنی عزت آبرو کا خیال رکھو - آخر میں دھمکی دی ہے :

سو مشعل جلاؤں سر اندیپ پر | اوجالا کروں سب سنگل دیپ پر
دسا سیر کا سیر * چاہوں کچا | کہ سیمرغ مجھ کن † کبوتر بچا

قاصد یہ خط لیکر رام راج کی طرف روانہ ہوا

" قاصد فرستادن رام راج بار دیگر بعد از شہنشاہ نامۂ نظام شاہ "

رام راج نے جل کر جواب دیا اور اپنے خط میں خوب خوب چرکے دیے ہیں، آخر میں کہتا ہے کہ اگرچہ تو شاہ بن شاہ بن شاہ ہے اور گو عماد (عماد الملک) تیرا پیشوا ہے اور اگرچہ تونے خاندیس پر اپنی دھاک بٹھائی اور گونڈ وانے سے خراج لیا، بہادر (بہادر شاہ) کو تونے زیر کیا اور ہمایوں سے بڑی بہادری سے لڑا اور فرنگیوں کو بھگایا اور ملک کو اس شجاعت سے فتح کیا کہ سلطان روم نے بھی آفریں کی مگر رام (راج) کچھ اور ہی چیز ہے —

سبھی جگ ملے رام ان میل ہے | بلے موم آتش کنے تیل ہے
اگر شاہ کاؤس یا کیقباد | تو میں رام فرعون و شداد و عاد

... ...

اگر نور و وادی ایمن ہے شاہ | وگر سور نوروز بہمن ہے شاہ
کم اندیش ہے چاردہ سال کا | پر و بال دھرتا ولے با لکا
سو میں رام دجال کوں اصل ہوں | سو شداد بن عاد کی نسل ہوں
نہ میں رام بل رام لکھمن ہوں میں | جو یک من ہے بھیری‡ تو لکہ من ہوں میں
یہی بول قاصد روانہ کیا | وو آشہ نزیک § ماجراسب کہیا

" سوار شدن نظام شاہ برائے جنگ رام راج "

اس میں فوج کی تیاری اور روانگی کا سماں دکھایا ہے - غرض نظام شاہ اپنی

---

* سر † نزدیک ‡ یعنی نظام شاہ بحری § نزدیک -

فوج لے کر کوچ پر کوچ کرتا ہوا میدان جنگ کی طرف روانہ ہوتا ہے

ہوا گرم تر مغز تب راے کا
سنا جب یو آواز کرناے کا

(مستعد شدہ آمدن رام راج براے جنگ نظام شاہ)

رام راج نے نظام شاہ کے کوچ کی خبر سنی تو اس نے بھی اپنی فوج کی تیاری کا حکم دیا اور فرمایا :

کہ میں رام اچھتے * ترک زور کیا
سمندر اچھے حوض کوں شور کیا

مختلف فوجوں کی تیاری اور روانگی کا حال کسی قدر تفصیل اور شان سے بیان کیا ہے - آخری شعر یہ ہے :

خبر گرم تر ہو (ن) بھر گوش میں (ن) ہوی ہر
کہ دریاے (ن) لنکھا ہوا جوش میں (ن) طوفان آتش

(فتح یافتن نظام شاہ بر لشکر رام راج و سرا ورا بریدہ
پیش تغال خاں فرستادن)

لڑائی بڑے زور شور سے ہوتی ہے لیکن شاعر شروع ہی سے حسین شاہ کا غلبہ بتاتا ہے - چنانچہ ابتداہی میں یہ شعر ہیں :

کلپ † جو کانگاں کے وو دیکھ عین چلیا فوج رخ باند بھیری حسین
چلیا دل کھندل جوں گرج گھن جیتا دندی بھول اوساں گئے لت پڑتا ‡

غرض یہ کہ

---

* ہوتے ہوے — † منصوبہ —

‡ فوجوں کو بادلوں کی گرج کی طرح روندتا ہوا چلا اور دشمن کے اوسان خطا اور پریشان ہو گئے —

خلل تھا کفر کا دیا جس خدا کیا رام کا سیس تن سے جدا

وجیا نگر شہر لوٹا گیا، بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا اور بادشاہ نے نماز پڑھی اور خدا کی درگاہ میں شکر ادا کیا —

اس نظم کا جو ناقص نسخہ میرے پاس ہے اس میں فتح اور غنیمت کا حال ذرا بڑھا چڑھا کر لکھا ہے اور نظام شاہ بحری کی خوب دل کھول کے تعریف کی ہے اور آخر میں بہت سی دعائیں ایسی دی ہیں جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاعر اس وقت زندہ تھا۔ فتح کا سنہ اور اپنا تخلص بھی دیا ہے۔ نیز شہر وجیا نگر کی رونق اور دولت اور اس کی شان و شوکت کا بھی ذکر کرتا ہے۔ یہ چیزیں مکمل نسخے میں نہیں ہیں —

اگرچہ واقعہ شاعرانہ پیرایے میں لکھا گیا ہے، تاہم اس سے بعض تاریخی باتوں کا پتا چلتا ہے۔ مثلاً نظام شاہ اور رام راج میں جو خط و کتابت ہوی ہے، اگرچہ یہ فرضی ہے، لیکن اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے خیالات ایک دوسرے کے متعلق کیا تھے اور وہ ان کی کن کن چیزوں کو ناپسند کرتے تھے۔ اسی طرح بعض ناموں کی تصدیق اور تصحیح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس لڑائی میں جو بعض سردار شریک تھے ان کے نام آ گئے ہیں۔ غرض یہ مثنوی علاوہ شاعرانہ حیثیت کے تاریخی حیثیت بھی رکھتی ہے۔ اس لئے میرا ارادہ ہے کہ فرہنگ کے ساتھ پوری مثنوی شائع کردوں۔ اس میں بہت سے غیر مانوس اور اجنبی لفظ آئے ہیں، جن کا سراغ لگانا اس لئے اور دشوار ہو گیا ہے کہ اصل سے بگڑ کر کچھ کے کچھ ہو گئے ہیں —

(۲)

" میز بانی نامۂ سلطان محمد عادل شاہ "

پہلی مثنوی جس کا اوپر ذکر ہوا ہے " فتح نامۂ نظام شاہ " ہے۔

اس میں جو نظام شاہ کی تعریف اور شان و شوکت دکھائی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ 'شوقی' کا تعلق نظام شاہیوں سے ضرور رہا ہے - اگرچہ مثنوی کی ابتدا میں عادل شاہ' قطب شاہ اور برید شاہ کا نام لیا ہے' لیکن دوران جنگ اور اثنائے فتح میں کسی کا کہیں ذکر نہیں - یعنے جو کچھ کیا نظام شاہ نے اور فتح کا سہرا بھی اسی کے سر رہا۔ گو تاریخی لحاظ سے بھی یہ ایک حد تک صحیح ہے لیکن اس سے 'شوقی' کی طرفداری صاف ظاہر ہے - اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ پہلے نظام شاہی دربار سے تعلق رکھتا تھا - یا تو نظام شاہی حکومت کی تباہی پر یا کسی اور وجہ سے اس کا تعلق وہاں سے قطع ہو گیا اور وہ عادل شاہی دربار میں آ گیا - نظام شاہی سلطنت کا خاتمہ سلطان محمد عادل شاہ ہی کے زمانے میں ہوا بلکہ ایک حد تک اس کا الزام عادل شاہی حکومت پر ہے کہ اس نے مغلوں سے ساز باز کر کے اس حکومت کا خاتمہ کردیا اور سلطنت کے حصے بخرے کر لئے - اس لئے یہ قرین قیاس ہے کہ اس تباہی کے بعد 'شوقی' دربار عادل شاہی میں آ گیا ہو —

اس مثنوی میں سلطان محمد عادل شاہ کا حال ہے - اگرچہ کسی تاریخ میں مذکور نہیں لیکن اس مثنوی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کی ایک شادی مصطفیٰ خاں کی لڑکی سے بھی ہوئی تھی۔ مصطفیٰ خاں محمد عادل شاہ کا وزیر اعظم اور سلطنت کے بڑے امرا میں سے تھا اور اُس نے بڑے بڑے کارنمایاں کئے تھے' بلکہ ایک مدت تک سلطنت کے سیاہ و سفید کا مالک رہا - اس مثنوی میں سلطان محمد عادل شاہ کی میزبانی' سلطان کی شہر گشت' مصطفیٰ خاں کی مہمانی اور بیٹی کے جہیز کا ذکر ہے۔ یہ چند باتیں بھی زیادہ تر مثنوی کے مختلف عنوانات سے ظاہر ہوتی ہیں - مثنوی میں جشنوں کی دھوم دھام' میز بانی اور مہمانی کی شان و شوکت' عیش و عشرت کے سامان کا تو بہت کچھ ذکر ہے مگر اصل واقعات کے متعلق کچھ نہیں لکھا —

مثنوی کا آغاز حمد سے اور اس کے بعد بادشاہ کی تعریف سے ہوتا ہے۔ حمد میں بھی صرف ایک مصرع ہے اور اس کے بعد ہی بادشاہ کی مدح شروع ہوجاتی ہے۔ ابتدا کے شعر یہ ہیں :

اول یاد کر پاک پرور دگار　　پچھیں شاد کر شاہ عالی تبار
نبی کا خلیفہ خدا کا خلیل　　بالہام و ہاتف نہ با جبرئیل
دم اندر جو عیسی مریم تمام　　تکلم میں موسی علیہ السلام
شجاعت میں رستم تی کچھ کم نہیں　　سخاوت میں ایسا جو حاتم نہیں
سر سرفرازان بندے نواز　　سو گردن فرازاں میں گردن فراز
سو سلطان محمد عدالت پناہ　　کہیں خلق جس مکرمت دستگاہ
خداوند تعالیٰ کی وہ چھانوں ہے　　عرب ہور عجم میں جسے فانوں ہے
کرے عیش و عشرت جواناں سنگات　　ولے مشورت پیر داناں سنگات
بڑا گیان وقتا رتن پا رکھے　　رتن پا رکھے ہور بچن پا رکھے
سو میٹھی شہر یار کی بات ہے　　سو اس بات کی دھات نا بات ہے
اگر شہ سناوے مجھے بول کر　　توفنا بات کوں میں سٹوں * بول کر
چو من کیست بارے دریں بوستاں　　کہیں جس کی طوطی بہندوستاں

اس کے بعد وہ شادی کا ذکر چھیڑتا ہے :

سنیا میں کہ شہ گھر بڑا کاج ہے　　کہ جس کاج کا خلق محتاج ہے
جہاں دار نے میزبانی کریا　　اسے فانوں میں شادمانی کریا

اس کے آگے میزبانی کے ساز و سامان ، مکانات کی آرائش اور انتظامات کی کیفیت تفصیل سے لکھی ہے ۔ شروع اس طرح سے کیا ہے :—

صفادار صوفے و منڈوے بلند　　چھجے شہ نشیں پادشاہاں پسند

---

* پھینک دوں

بشنگرف سرخ و بزرنیخ زرہ   برزحل و زرنگار * و بالاجورد

صفادار صوفے رنگا رنگ ہوے   نمودار جاے کہ از رنگ ہوے

تکت لال سوں کاغ ساڑیاں مڑی   سوزرباف سوں باغ ساڑیاں مڑی

اسی طرح ہر چیز اور سامان کا ذکر کرتا چلا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی " صوفے " کا لفظ استعمال ہوتا تھا - انگریزی میں یہ عربی لفظ " صفہ " سے پہنچا ہے - فارسی میں بھی اس کا استعمال ہوا ہے —

دوسرا عنوان یہ ہے :

(مجلس آراستن و بخشش کردن سلطان محمد مرداں را در میز بانی خود)

بادشاہ تخت پر جلوہ فرما ہوتے ہیں اور امرا ، وزرا مجرا و آداب عرض کرتے ہیں :

بیٹھا تخت پر آو جمشید سا   زر افشاں کیا دست خورشید سا

سلحدار سردار جیتے وزیر   نہ گھر میں رہیا کوئی بر نائ پیر

جیتے سرفرازاں جو درگاہ کے   جیتے محرماں خاص خرگاہ کے

سو سر بھویں دھرے شاہ عالم کے تیں   رہے دیکھ کر ماہ عالم کے تیں

کتے سیس کے پاے لشکر کشاں   سوکر جوڑ تہارے رہے سرکشاں

اس کے بعد بادشاہ انھیں بیش بہا خلعت اور انعام و اکرام عطا فرماتے ہیں۔ شاعر ہی انعام و اکرام کی تفصیل بیان کرتا ہے ، جس میں نفیس نفیس کپڑے ، ہاتھی ، گھوڑے ، جواہرات ، عطریات سب کا ذکر آجاتا ہے - پانوں کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے - شوقی رام راج کی شان و شوکت نہیں بھولا ، چنانچہ کہتا ہے :

یتا خرچ پاناں ہوا راج کاج   نہ سونے میں دیکھا کبھی رام راج

مختلف قسم اور مختلف مقامات کے پانوں کے نام لیتا ہے اور طرح طرح کی تشبیہیں دے کر بیان کرتا ہے - اس کے بعد کھانے کا دور شروع ہو جاتا ہے - اور خاتمے پر کہتا ہے :

---

* (ن) یہ لفظ غالباً " زنگار " ہوگا - زرنگار سے مصرع غلط ہوجاتا ہے -

کیتا کوئی کھائے کیتا کوئی لےجائے　　مچھر کو ھتے * ھور مکھی کو شکائے†
کئے شکر یکبار عالم تمام　　محمد نبی پر درود و سلام

تیسرا عنوان یہ ھے :

(در بیان شہرگشت سوار شدن سلطان محمد عادل شاہ)

شہرگشت کا بیان بہت خوبی سے لکھا ھے شروع یوں ھوتا ھے :

سدا دار پر تجھ منگل‡ گڑ گڑیں　　منگل گڑ گڑیں جیوں بدل§ گڑ گڑ یں
ھتی مست پر پیلباں مست ھے　　زبردست پر کیا زبردست ھے
سدا دار پر تجھ طبل باجتے　　طبل باجتے ھور مندل¶ گاجتے
بہت دیس تی شہ کے گھر کاج ھے　　شہر گشت کی رات سو آج ھے
شہر گشت کا ساز و ساماں ھوا　　نفیریاں تراتے دماماں ھوا

اس کے بعد جلوس کا حال اور اس کی شان و شوکت ھے۔ بادشاہ کی سواری، طرح طرح کے باجےگاجے، ناچ رنگ، آتش بازی، روشنی غرض ھر چیز کو بہت اچھی طرح بیان کیا ھے۔ چند شعر ناچ کے متعلق دیکھئے، ناچنے والیوں کے انداز کس خوبی سے ادا کئے ھیں :

ھڑ کنیاں و کنچنیاں بہوت ساز سوں　　بجاویں و گاویں بہوت ناز سوں
خوشی خرمی میں اوبلتیاں چلیاں　　اکھرتیاں و پھرتیاں اوچھلتیاں چلیاں
سہیلیاں سہیلیاں میں جھلتیاں و تیاں　　لٹکتیاں ٹھمکتیاں و تالتیاں و تیاں

آتش بازی کے بیاں میں ایک شعر ھے :

ھوا یاں نتھیاں و اتھیاں ناگنیاں　　ھوا کے اوپر جا سنپولے جنیاں

ھوائیوں کو ناگنوں سے بہت اچھی تشبیہ دی ھے۔ یعنے وہ ھوائیاں نہ تھیں بلکہ ناگنیں تھیں اور اوپر ھوا میں جاکر جو چھٹیں اور ان سے پھول

---

* مارے　† ڈرائے　‡ باجے　§ بادل　¶ باجہ

گرے تو وہ پھول نہ تھے بلکہ سپولے تھے جو اُنھوں جنے —

تیسرا عنوان یہ ھے :

(دربیان مہمانی کردن نواب مصطفی خاں سلطان محمد عادل شاہ را ودادن جہیز دختر)

صبح ھوتی ھے :

بیٹھا سور جب نور کا تاج کر　　بیٹھی رات کوہ قاف میں لاج کر

مصطفی خاں کی مہمانی :

سلیماں کو آصف نے مہماں کیا　　عجائب غرائب بہوت کچھہ دیا

سلطان کو اپنی بیٹی دیتا ھے یعنی چاند کو سورج کے حوالے کرتا ھے :

دیا چاند کوں سور کے سات کر　　دیا نور کوں نور کے سات کر

اس کے بعد جہیز کا ذکر ھے ۔ پھر مجلس کے ناچ رنگ کا ذکر دل کھول کے کیا ھے اور شاعری کی داد دی ھے ۔ گانے اور ناچنے والیوں کا سراپا، ان کے ناز و انداز اور ناچ کا سماں خوب لکھا ھے ۔ اتنے میں سلطان محمد عادل شاہ کے سامنے دسترخوان بچھتا، ھے جس پر طرح طرح کے نفیس کھانے سونے چاندی کے باسنوں میں چنے جاتے ھیں ان کی تفصیل بھی پڑھنے کے قابل ھے، جس سے اس وقت کے کھانوں کی کیفیت معلوم ھوتی ھے ۔ آخر میں دعا پر مثنوی ختم ھوجاتی ھے ۔

دعائیہ اشعار یہ ھیں :

قلم (گر) کروں راس سب بانس کے　　سیاھی دریا، کاغذ آکاس کے

کھئے ھو رکھے بھرے یو تمام　　صفت شہ کی پوری نہوے والسلام

تو بہتر کہ 'شوقی' ز راہ صواب　　دعا وو کرے جو اچھے مستجاب

سدا جیو راجے جنم راج کر　　جو دشمن موندی تل کرے لاج کر

کرے راج جو لگ گگن دھرتری　　کرے راج جو لگ پرب استری

شہر یار خاطر کے تیں شاد دار　　قیامت لگوں یو رھوے یاد گار

(غزلیں)

مجھے شوقی کی کچھہ غزلیں بھی دستیاب ہوئی ہیں جن سے اس کی شاعری اور جوہر کھلتے ہیں - ایک غزل اس نے مسلسل لکھی ہے، جس میں شروع سے آخر تک " نین " اور " سوکا " کی تعریف ہے اور ان کو اس نے نئی نئی اور طرح طرح کی تشبیہوں سے مرصع کیا ہے۔ "سوکا" سرمے کا وہ خط ہے جو عورتیں آنکھہ سے لیکر زلف تک کھینچتی ہیں ۔ یہ بھی ایک قسم کا سنگارسمجھا جاتا تھا ۔ اس غزل کے چند شعر یہاں لکھے جاتے ہیں:

دلبر سلونے نین پر کھینچی ہے سوکا خوبتر
خطاط جیوں ماریا رقم چھندوں ثلث کے صاد پر
یا چک دوات ہے سیم کی کیکی سو بھر سیاھی رکھے
سوکا قلم جیوں واسطی کاتب گیا اُس میں بسر
یا نین موتی تھال ہیں سوکا سو تاگا نیل کا
موتی پرو کر کھینچتے تو راھیا ہے ٹوٹ کر
تجھہ زلف ہے جیوں ناگنی سوکا بچا نیکا * جنی
مت کھاے کیں وہ پاپنی اسنیں چھپا نرگس بہتر
یا نین بازیگر اہیں تجھہ حسن کے بازار میں
سوکا سلائی سحر کی بھایا * اُس اپنے آنکھہ بہتر
یا ترنگ اچپل نین ہو سار سو ہندو برن
سوکا لے برچھا نین دھر آیا کسی جیو مار کر
آھو کو بیٹھیا تیریا مکھہ میں کنجن چار یا لیا
یا تل زنگی کوں مارنے لوچن† ترک کنچھیا‡ خنجر

---

*ڈالا †آنکھہ ‡کھینچا —

یا پھول ھے گل لالہ کی سوکا ڈنڈی اس پھول کر

پتلیاں مرتب یوں دیسے جیوں پھول پر بیٹھے بھنور

ایک پوری غزل میں تجنیس لفظی سے کام لیا ھے - ھماری شاعری میں اس قسم کی صنائع کا شوق ھر زمانے میں رھا ھے - چند شعر یہاں نقل کئے جاتے ھیں:

گُھب گھب رھی ھے من میں تری زلف کی کھب کھب §

مج جیو کے گلے میں پڑیا ھے طوق غب غب

تپ تپ ھوا ھوں تب سیں تیرے وصال کا رن

جپ جپ کیا ھوں جپنا ھر دم کتاھوں ¶ اب اب

تج وصل کوں درنگ ھے ھو مج نہیں صبوری

جاتی ھے زندگانی آتی ھے موت دب دب ‡

سروے قداں سوں ھاوے * شوقی ھوا ھے مجنوں

کب کب کیا ھوں توبہ کب کب کیا ھوں کب کب

ایک اور غزل کا مطلع اور مقطع لکھہ کر مضمون ختم کرتا ھوں

تجھہ نین کا ماتا ھے جو اُس جام سیتی کام کیا

تجھہ زلف کا کافر اوسے اسلام سیتی کام کیا

شوقی نہ دکلا طمع کچ ....فردوس کی

سنا * جو کرتا ھے اُسے انعام ستی کام کیا



---

§ خم ¶ کہتاھوں ‡ آھستہ آھستہ * درد فراق -

تبصرے

ادب

مذہب

تعلیم

تاریخ

اردو کے جدید رسالے

ادب

سادھو اور بیسوا

(مصنفۂ جناب کشن پرشاد کول صاحب، انڈین پریس الہ آباد، صفحات ۲۰۳، قیمت بارہ آنے)

جناب کشن پرشاد کول صاحب ملک کے سچے خادموں میں سے ھیں - ان کا مقصد ملک کی اخلاقی اور معاشرتی زندگی کی اصلاح ھے - اس سے پہلے بھی وہ اسی موضوع پر فسانے کے پیرائے میں کئی کتابیں لکھہ چکے ھیں - کول صاحب کو لکھنے کا بہت اچھا سلیقہ ھے اور صاف ستھری زبان میں اپنے خیالات بڑی خوبی سے ادا کرتے ھیں - یہ فسانہ بہت دلچسپ اور عبرت خیز ھے - اس افسانے میں اصل اشخاص دو ھیں - ایک سادھو دوسری ایک بیسوا - زمانے کے حالات نے ان کی زندگی میں ایسی کایا پلٹ کی ھے جسے پڑھ کر حیرت بھی ھوتی ھے اور عبرت بھی - سادھو بیسوا کو ناپاک زندگی سے نجات دینے چلے تھے - خود اس کے شکار ھوگئے اور بیسوا ان کی تلقین سے متاثر ھوکر اُس درجے کو پہنچ گئی جو سادھو کو باوجود ریاضت کے کبھی نصیب نہوا تھا -

قصے کے ضمن میں ھندوستانی معاشرت کا چربہ بھی خوب اتارا ھے جو کول صاحب کا اصل مقصد ھے —

جیسا کہ لائق مصنف نے خود ھی لکھہ دیا ھے اس کتاب کا خیال انھیں ایک فرنگی ناول سے پیدا ھوا، یہ فرانس کے مشہور اور عجیب و غریب ادیب اور ناول نویس اناتول فرانس کا ناول تھائیس ھے - اگرچہ اس افسانے کا خیال اس ناول سے پیدا ھوا لیکن قصہ بالکل ھندوستانی ھے اور قابل مؤلف کے غور و فکر کا نتیجہ ھے —

ناٹک کتھا

(مولفۂ صاحبزادہ محمد عمر نورالہی صاحبان -
محمود برادرز تاجران کتب جموں قیمت آٹھہ آنے)
(یہ کتاب انجمن ترقی اُردو اورنگ‌آباد - دکن سے بھی مل سکتی ہے)

اس میں قدیم ہندوستانی ڈراموں کی سات کہانیاں اور ایک تاریخی کہانی ہے - یہ بڑی دلچسپ کہانیاں ہیں اور قدیم ہندوستان کے نامور اور مستند ڈراما نگاروں کے شہرۂ آفاق ڈراموں کو اپنی میٹھی اور پاک ستھری زبان میں اس خوبی سے ادا کیا ہے کہ پڑھ کر جی خوش ہوجاتا ہے - ہندی کے خوبصورت الفاظ جس حسن وخوبی سے ان صاحبوں نے اپنی ان کہانیوں میں کھپائے ہیں یاتو مولانا حالی کی مناجات بیوہ میں دیکھنےمیں آئے یا یہاں - اس چھوٹی سی کتاب پڑھنے کے بعد دل میں یہ خیال آتا ہےکہ " ہندوستانی " جو آیندہ ہندوستان کی عام اور مشترک زبان ہونے والی ہے وہ کہیں یہی تو نہیں - اردو کے نامور ادیب اور شاعر حضرت کیفی نے کتاب کے شروع میں بہت ہی پر لطف تقریب لکھی ہے - امید ہے کہ یہ کتاب شوق سے پڑھی جائے گی اور پڑھنے والے مولفین کی محنت کی داد دیں گے - ایک بڑا فائدہ ان کہانیوں کے پڑھنے سے یہ ہوگا کہ جو لوگ اپنی نارسائی یا کم فرصتی کی وجہ سے اصل ڈراموں کا مطالعہ نہیں کرسکتے وہ " نقل مطابق اصل " کو پڑھکر ضرور محظوظ ہونگے اور کیا عجب ہے کہ بہت سے اصل کی طرف رجوع کریں —

پرواز خیال

(مجموعہ کلام خواجہ حمیدالدین صاحب حمید لکھنوی،
نامی پریس لکھنو' قیمت ایک روپیہ چار آنے)

یہ خواجہ حمید صاحب لکھنوی کی غزلوں کا مجموعہ یعنی دیوان ہے - مجلد جیبی تقطیع نہایت عمدہ کاغذ پر خوبصورت چھپا ہے - غزل گوئی میں قدیم اساتذہ کا تتبع کیا ہے - جو لوگ اس طرز کو پسند کرتے ہیں' اُن کے لائق ہے - زبان صاف اور روز مرہ درست ہے - کوئی خاص بات ایسی نہیں جو بیان کے قابل ہو چند اشعار بطور نمونے کے لکھے جاتے ہیں —

یوں دفن مجھے کرنا منہ ہو سوے میخانہ
اک ہاتھ میں ساغر ہو اک ہاتھ میں پیمانہ
کہنے کو مسلماں ہوں مذہب تو ہے رندانہ
توبہ ہے مرے لب پر نظریں سوے میخانہ
منزل ہے وہی میری جس جا ترا جلوہ ہے
اس سے نہیں کچھ مطلب کعبہ ہو کہ میخانہ

شیرازہ عناصر کا بکھرا نظر آتا ہے
مشکل ہمیں اب اپنا جینا نظر آتا ہے
سب ایک طرف، مجرم تنہا نظر آتا ہے
اس عرصۂ محشر میں یہ کیا نظر آتا ہے
یہ حال نہ تھا پہلے اس درد محبت میں
جو آج مجھے عالم دل کا نظر آتا ہے
انسان کا چہرہ بھی آئینہ ہے عادت کا
جیسا کوی ہوتا ہے ویسا نظر آتا ہے
دن رات ہے واعظ کو رٹ جنت و دوزخ کی
ہم کو تو کچھ اس میں بھی دھوکا نظر آتا ہے

دنیاے افسانہ

(مؤلفۂ مولوی محمد عبدالقادر سروری صاحب ایم - اے -
مکتبۂ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن، صفحات ۲۰۰ چھوٹی تقطیع
قیمت ایک روپیہ چار آنے)

کتاب کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے - اس میں بیس باب ہیں - پہلے چودہ باب عام فسانے کی تاریخ، اس کے اقسام، عناصر، خصوصیات، موضوع، فرائض اور مختصر قصوں کے متعلق ہیں - لیکن آخری پانچ باب میں اردو کے فسانوں، ناولوں اور مختصر قصوں سے بحث کی ہے - یعنی اردو زبان اور افسانے؛ ابتدائی دور کے افسانے؛ فورٹ ولیم کالج کی کوششیں؛ اردو ناول، اردو مختصر افسانے اور اردو افسانوں کا مستقبل —

قابل مؤلف نے اردو نثر کا پہلا فسانہ ابن نشاطی کے قصے " طوطی نامہ " کو قرار دیا ہے - ابن نشاطی کا طوطی نامہ منظوم ہے - معلوم نہیں نثر کس بنا پر لکھا ہے، اس کے لئے کوئی سند بھی پیش نہیں کی - اسی طرح شیخ عین الدین گنج العلم کو اردو نثر کا مصنف بتایا ہے؛ اور یہ بھی بغیر سند اور تحقیق کے - خواجہ بندہ نواز

ڈیسو داراز کے رسالے "ہدایت نامہ" اور ہفت اسرار" بعد کے ترجمے ہیں، خواجہ صاحب نے اردو میں نہیں لکھے —

اُردو ناولوں پر لکھنے کی ابھی گنجائش باقی ہے، چونکہ وہ اس مبحث پر الگ لکھنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے غالباً یہاں اختصار سے کام لیا گیا - تعجب ہے کہ اردو ناول نویسوں میں منشی پریم چند صاحب کا نام نہیں ہے - اُردو ناولوں اور ناول نویسوں کے متعلق قابل مؤلف نے جو رائیں ظاہر کی ہیں ان سے بھی اکثر اصحاب کو اختلاف ہو گا - لیکن اس میں شک نہیں کہ اردو زبان میں یہ پہلی کتاب ہے جو اس مضمون پر لکھی گئی اور مؤلف کی محنت اور تلاش بہت قابل تعریف ہے - جو لوگ ناولوں کے شائق ہیں یا جنھیں ناول نویسی کا ذوق ہے وہ ضرور اسے پڑھ کر خوش اور مستفید ہوں گے -

---

اوتاروں کے قصے

(مؤلفۂ سید محمد منظور علی رضوی صاحب نیشنل پریس
(رام نراین لال) الہ آباد قیمت چار آنے)

اس چھوٹی سی خوبصورت کتاب میں رام چندر جی کرشن جی اور مہابھارت کی لڑائی کا حال صاف صاف سادہ زبان میں بیان کیا گیا ہے - لیکن اس کی اور ناٹک کتھا کی زبان میں بڑا فرق ہے - یہ کتاب لڑکوں لڑکیوں کے پڑھنے کے لئے خوب ہے - تین رنگین تصویریں بھی ہیں - رام نراین لال صاحب اپنے نیشنل پریس سے اردو کی بہت سی اچھی اچھی کتابیں صاف ستھری چھاپ کر شائع کر رہے ہیں - ان میں کہانیوں کا بھی ایک سلسلہ ہے اور اس سلسلے کی ایک کتاب یہ بھی ہے —

اُردوے معلی

(از ستمبر سنہ ۱۹۲۸ ع تا جون سنہ ۱۹۲۹ ع مرتبۂ جناب
سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی - کانپور)

یہ مشہور ادبی رسالہ اب رسالہ نہیں رہا بلکہ اس میں با قساط مستقل ادبی

کتابیں شایع کی جاتی ہیں - ایک کتاب "معائب سخن" مسلسل چھپ رہی ہے - علاوہ اس کے بہت سے نایاب اور معروف دیوانوں کا انتخاب بھی شایع کیا جاتا ہے - چنانچہ ان پرچوں میں میر محمد حیات حسرت، یقین، احسن اللہ خاں بیان اور خواجہ کمال الدین شاعر (شاگردان مرزا مظہر) ذوق، داغ، رسا (شاگرد داغ) جگر مراد آبادی، فغاں، راسخ، رونق، صمصام، فانی، عزیز لکھنوی اور محشر لکھنوی کے دیوانوں کا انتخاب درج ہے - یہ بہت بڑی ادبی خدمت ہے - کبھی سرورق کے اوٹ میں ایک آدہ تازہ غزل بھی چھپ جاتی ہے - ستمبر تا دسمبر سنہ ۲۸ع کے پرچے میں نہرو رپوٹ پر جامع تبصرہ ہے - اگرچہ بذات خود یہ ایک کام کی چیز ہے مگر اردوے معلیٰ میں اس کا پیوند بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے - بہر حال جواں ہمت حسرت برابر کام میں مصروف ہیں اور اپنے ذوق کو بڑی خوبی سے نبھائے جارہے ہیں - ہم تو یہ سمجھے تھے کہ یہ رسالہ سہ ماہی ہوگیا ہے کیونکہ تین تین نمبر ایک ایک رسالے میں پہنچے تھے - اتنے میں جولائی کا نمبر پہنچا تو معلوم ہوا کہ بدستور ماہانہ ہے - قیمت سالانہ دو روپے چار آنے اور فی پرچہ تین آنے ہے اور معلومات کے لحاظ سے جو اس میں درج ہوتی رہتی ہیں - یہ قیمت کچھ بھی نہیں ہے -

---

هزار داستان، علی بابا اور چالیس چور

مؤلفۂ جناب حامد اللہ صاحب افسر - رام نارائن لال،
نیشنل پریس الہ آباد قیمت فی کتاب چار آنے

یہ نیشنل پریس کے قصے کہانیوں کے سلسلے کی کتابیں ہیں - پہلی کتاب میں نہایت خوش چھوٹے چھوٹے قصے اور سبق ہیں - دوسری میں الف لیلہ کے مشہور قصے کو آج کل کی سادہ اور سلیس زبان میں لکھا ہے - اس میں دو تین رنگین تصویریں بھی ہیں - بچے ان کتابوں کو بہت شوق سے پڑھیں گے -

---

کروسو سیاح (مؤلفۂ جناب طالب الہ آبادی، نیشنل پریس الہ آباد، قیمت ۴ آنے)

وینس کا سیاح (مؤلفۂ جناب سید محمد منظور علی صاحب نیشنل پریس الہ آباد قیمت ۴ آنے)

یہ دونوں کتابیں بھی نیشنل پریس کے سلسلے کی ہیں - پہلی کتاب انگریزی کی مشہور کتاب رابن سوکروسو کا خلاصہ ہے اور دوسری مارکو پولو مشہور سیاح کے سیاحت نامے کا نہایت مختصر سا خاکا ہے - لڑکے لڑکیوں کے شوق کی چیز ہے، نیشنل پریس بہت اچھا کام کر رہا ہے —

خطلاتین برائے فارسی

(خطبۂ جناب آقا سید محمد علی صاحب پروفیسر نظام کالج)

آج کل ایشیائی ممالک میں لاتینی حروف کا بہت چرچا ہے اور جب سے ترکی میں یہ حروف رائج ہوگئے ہیں، یہ بحث اور بھی قابل غور ہوگئی ہے - ہندوستان اور ایران میں اس پر بڑی بڑی گرم بحثیں ہورہی ہیں - جاپان میں بھی بہت دنوں سے اس پر غور ہورہا ہے - چین اور جاپان کے حق میں تو یہ حروف ایک قسم کی رحمت ہونگے اور اگر ان دونوں ملکوں نے یہ حروف اختیار کرلیے تو وہ ایک بڑی زحمت اور جنجال سے بچ جائینگے- لیکن ہزارہا سال کے رواج کا یک لخت چھوڑ دینا کچھ آسان کام نہیں ہے —

آغا صاحب نے اپنے لکچر میں فارسی میں لاتینی حروف کے استعمال کے متعلق بحث کی ہے- ان کی رائے اس استعمال کے بالکل مخالف ہے- اس کی وجوہ انہوں نے جو بیان کی ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے :

۱- حروف ناقص ہیں - ایک ایک حرف کئی کئی آوازیں دیتا ہے -

۲- لاتینی حروف فارسی حروف کی ضرورتوں کو کامل طور پر پورا نہیں کرتے - کیونکہ متعدد حروف اور اصوات ایسی ہیں جن کا وجود لاتینی میں نہیں پایا جاتا —

ان وجوہ کو قابل لکچرار نے فارسی اور لاتینی حروف کو بالمقابل لکھ کر سمجھایا ہے —

اس قسم کے نقص کچھہ نہ کچھہ ہر زبان کے حروف میں پاے جاتے ہیں - چنانچہ خود قابل لکچرار نے فارسی حروف کا لاتینی حروف سے مقابلہ کر کے فارسی خط کے نقائص بتا دئیے ہیں -

فارسی خط کی ایک خوبی یہ بتائی ہے کہ زود نویسی کے لئے یہ بہت کارآمد ہے - لاتینی حروف میں تحریر بہت طویل ہو جاتی ہے - دوسری خوبی یہ ہے کہ نقاشی کا بہترین نمونہ ہے —

موجودہ خط کے بدلنے میں بڑا نقص قابل لکچرار کی راے میں یہ ہے کہ کچھہ دنوں کے بعد موجودہ خط بالکل غیر مانوس ہو جاے گا اور صدہا سال کی محنت سے جو علوم وفنون پیدا ہوے ہیں وہ سب ضائع ہو جائیں گے- چنانچہ ایران پر ایک ایسا سانحہ گزر چکا ہے ، یعنی جب پہلوی خط ترک کر کے عربی خط اختیار کیا گیا تو ایران کے قدیم علوم و فنون سب تلف ہو گئے —

اس لئے آغا صاحب کی یہ راے ہے کہ موجودہ خط ہی کی اصلاح اس طور سے کرلی جاے کہ ہمیں ایک جدید خط کی ضرورت نہ رہے - وہ اصلاح یہ ہے کہ اعراب میں جزم کو بالکل ترک کردیا جاے یعنی جس حرف پر کوئی علامت نہ ہو وہ ساکن سمجھا جاے - تشدید کی علامت کی جگہ جزم رکھہ لیا جاے - غرض یہ کہ مروجہ خط ہی میں کچھہ اصلاح کرلی جاے —

اردو خط بھی وہی ہے جو فارسی ہے - اس میں بڑا نقص یہ ہے کہ ہم اس وقت تک الفاظ صحیح نہیں پڑہ سکتے جب تک پورے اعراب نہ ہوں - اور اعراب کا لگانا دقت طلب امر ہے - اور ٹائپ میں تو یہ مشکل اور بھی بڑہ جاتی ہے —

اردو زبان کی حالت جو اس وقت ہے آئندہ یوں ہی نہیں رہے گی - اگر ہم اس کی اشاعت اور توسیع کے خواہاں ہیں تو لازم ہے کہ اس کا ٹائپ بنائیں - مروجہ نستعلیق خط کا ٹائپ بنانا نہایت دشوار ہے - اگر بن بھی گیا تو اس میں وہ سہولت نہیں پیدا ہو سکتی جو لاتینی حروف کے ٹائپ میں ہے - البتہ نسخ اختیار کر سکتے ہیں لیکن تلفظ کی صحت اس میں بھی نہیں ہو سکتی - اگر ہم لاتینی حروف لے لیں تو عمدہ سے عمدہ ٹائپ جو صدہا سال کی محنت اور کوشش سے بنا ہے ، ہمیں بغیر کسی زحمت کے مل جائے گا - رہی یہ بات کہ اس میں بعض آوازیں نہیں ہیں تو ان کا بنا لینا کوئی بڑی بات نہیں ، بلکہ پہلے سے بنی بنائی موجود ہیں-

ہندوستان میں بہت سی زبانیں مروج ہیں اور اکثر کے خط ایک دوسرے سے نہیں ملتے - اگر یہ سب زبانیں لاتینی حروف اختیار کر لیں تو ان کا سیکھنا کس

قدر آسان ہو جاے - اور جو کچھہ بھی ہو، اس ہندی اردو بحث کا تو پاپ کٹ جاے گا -

عجیب بات ہے کہ جو خط نہایت خوش نما، اعلیٰ ترقی یافتہ اور مہذب اور نقاشی کا بہترین نمونہ ہے وہ اس زمانے میں جب کہ ٹائپ کی فرماں روائی ہے، ادنیٰ اور ناکارہ ثابت ہوا اور وہ خط جو ابتدائی اور غیر ترقی یافتہ حالت میں تھے، مفید اور اعلیٰ بن گئے -

مجھے اکثر اردو کی قدیم کتابوں کے مطالعے کا اتفاق ہوتا ہے- پرانے الفاظ کے صحیح پڑھنے اور صحیح تلفظ کے دریافت کرنے میں بڑی دقت ہوتی ہے - اگر لاتینی یا ناگری حروف میں یہ تحریریں ہوتیں تو اتنی دقت نہ ہوتی —

بحث اب حسن اور افادے میں آ پڑی ہے - یا تو حسن کی پوجا کیجئے اور ترقی سے ہاتھہ دھو بیٹھئے یا پھر چھاتی پہ پتھر رکھہ کر حسن کو خیر باد کہئے اور ترقی و افادہ کے میدان میں آئیے —

ایک روز ایسا آنے والا ہے کہ ہمیں یہ خط بدلنا پڑے گا، ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کی صورت کیا ہوگی - لیکن جتنی دیر ہوتی جاے گی اسی قدر مشکلات بڑھتی جائیں گی —

فیضان شوق

(دیوان منشی احمد علی صاحب 'شوق' قدوائی لکھنوی مرحوم،
حجم ۳۰۰ صفحے، سائز ۲۰ × ۲۶، قیمت دو روپے، لکھائی،
چھپائی، کاغذ بہت عمدہ، معہ تصویر مصنف، پتہ:
خان بہادر شیخ رضی الدین احمد صاحب بیرسٹرایٹ لا،
گونڈہ (اودھہ)

منشی احمد علی صاحب 'شوق' قدوائی مرحوم اردو زبان کے ان اُستادوں اور مسلم الثبوت شعرا میں تھے، جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے آپ اپنی نظیر تھے اور جن کی تمام زندگی اس فن شریف کی خدمت میں گزری ہے ---

اس چندسال کے اندر نہایت افسوس ہے کہ ہماری زبان کے کئی گراں پایہ انشا پرداز اور

شاعر ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوگئے' اور زیادہ افسوس اس کا ہے کہ اپنی خصوصیات اور کمالات بھی اپنے ساتھ ہی لیتے گئے - حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم' جناب شاد عظیم آبادی' مولانا وحیدالدین سلیم پانی پتی' مولانا شرر لکھنوی' اور جناب شوق قدوائی اس دور میں ادب اُردو کے زبردست ارکان تھے -

حضرت شوق قدوائی ایک قادرالکلام ' کہنہ مشق اور رنگ قدیم و جدید کے مالک تھے - اور یہ عجیب بات ہے کہ وہ بعض خصوصیات کے لحاظ سے مجموعہ اضداد ہستی تھے - ان کا دیوان اور غزلیں اگر دیکھیے تو مذاق جدیداورجذبات نگاری سے بالکل الگ ہیں' قدیم رنگ نمایاں ہے اور وہ بھی خاص ہے - لکھنؤ کا فرسودہ رنگ رعایت لفظی کا تو اتنا زیادہ نہیں مگر محاورات ' ضرب المثال' بول چال نظم کرنے کی خاص کوشش کرتے ہیں ' اور آورد کو آمد بنانے کی بھی - یہی ان کے دیوان کا امتیازی رنگ ہے - اس پر بھی شگفتگی اور برجستگی بہت ہے اور یہ کمال مشاقی کی دلیل ہے کہ کلام گنجلک نہیں ہونے پایا - یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشکل زمینوں میں طبع آزمائی کا خاص ذوق رکھتے ہیں - ان کا زور زیادہ تر لفظی صنائع اور فنی خوبیوں تک ہے لیکن شاید یہ کہنا بےجا نہ ہوگا کہ شعر کی اصل روح جو اُسے انسان کے دل کی گہرائیوں تک پہنچا دے وہ نہیں ہے اور ہے بھی تو بہت کم - بخلاف اِس کے ان کی نظمیں نہایت پاکیزہ ہیں - اور بعض تو جذبات کی صحیح ترجمانی کے لحاظسے ملک میں بے حد مقبول ہوئی ہیں-خاص کر ''عالم خیال'' جس میں ایک ایسی خاتون کے جذبات وخیالات ظاہر کئے ہیں جو اپنے شوہرسےدور ہے'یہ اپنے گھر میں ہے اور شوہر پردیس میں- حقیقت یہ ہے کہ یہ مرحوم کی ایک بے مثل نظم ہے' خصوصاً ہماری تعلیم یافتہ مسلمان خواتین میں اس نے غیر معمولی مقبولیت حاصل کی ہے- اس کے علاوہ اور نظمیں بھی بغایت دل پسند ہیں اور یہ اتنا ذخیرہ ہے کہ اگر کتابی صورت میں چھپیے تو اچھا خاصہ حجم ہوگا - اور ہمارا یہ خیال ہے کہ مرحوم کے دیوان سے زیادہ اس وقت اُن کے مجموعۂ نظم کی ملک کو ضرورت تھی -

زیر تنقید دیوان میں غزلیں ہیں' مگر یہ غزلیں اس رنگ میں نہیں جو آج کل مقبول ہے - اگرچہ زیادہ حصہ آخر عمر اور درمیانی عمر کا ہے کیونکہ ابتدائی عمر کا کلام زیادہ تر ضائع ہوگیا ' اور جو بچ رہا تھا اس کا بھی اکثر و بیشتر حصہ خود مصنف نے اپنے ذوق کے سبب تلف کردیا - آخر دیوان میں چند اخلاقی قطعات اور رباعیاں ہیں ' مگر ان میں بھی جان شاعری کی وہی کمی ہے جو غزلیات میں ہے - ایک امتیازی خصوصیت دیوان کی یہ ہے کہ غزلوں میں زبان نہایت صاف و شستہ اور صحیح استعمال کی ہے اور اشعار کی تعداد بہت کم رکھی ہے' جو

معتقدوں کی خصوصیت تھی' رعایت لفظی زیادہ نہیں' لیکن صحت زبان اور محاورات و ضرب الامثال بندی کے سوا اور کوئی بات مشکل سے موجودہ دور ادب اور مذاق سلیم کے لئے دل چسپ ہوسکتی ہے -

دیوان کے شروع میں مرحوم کے صاحبزادے شیخ طاہر علی صاحب کا ایک صفحے کا دیباچہ ہے ' اس کے بعد مولوی معین الدین صاحب بی اے (کنٹب) بورسٹو ایت لا لکھنو کا ایک بسیط مقدمہ ۲۸ صفحات کا ہے' جس میں مصنف کے سوانح حیات' خصوصیات کلام ' خصائل' مزاج ' تصانیف و کلام پر تبصرہ اور بہت سی باتیں آگئی ہیں' تاہم ہمارے خیال میں یہ مقدمہ ابھی تشنہ ہے - اس میں کئی اور اہم چیزیں رہ گئی ہیں ایک تو ان کے تصانیف کا ذکر تفصیلی نہیں ہے - بعض کا نام تک مذکور نہیں- دوسرے ان کے تلامذہ کا بالکل ذکر نہیں اس کے علاوہ بعض اور بھی قابل تذکرہ باتیں چھوٹ گئیں -

دیوان اس مطلع سے شروع ہوتا ہے :

مرا حق مان کر بن تو مرا حاجت روا ہونا
کہ میں مانے ہوئے ہوں اے خدا تیرا خدا ہونا

پہلے مصرعے کے لفظ بن پر دوران طباعت میں بحث ہو چکی ہے ' آخر میں تمام " عقیدت مند " اسی نتیجے پر پہنچے کہ اپنی کوتاہ نظری تسلیم کرلی جائے ' اور اُن پر حرف نہ رکھا جائے ' مطلع بجنسہ رہنے دیا جائے لیکن یہ ہمارے خیال میں زبردستی ہے ' جو بات سچ ہو وہ کہنی چاہیے کہ بن یہاں کسی طرح نہیں کھپتا ' ورنہ ردیف بیکار ہوتی ہے ' کیا لکھنؤ میں اب کوئی ایسا زباں داں نہیں جو اس معمے کو حل کرتا ' یا اسے کم از کم کتابت ہی کی غلطی سمجھ لیا جا سکتا - یہ مطلع طبع دیوان کے وقت ہمارے ایک دوست کے پاس بغرض استفسار آیا تھا تو انہوں نے یہ لکھ دیا تھا کہ یہ لفظ (بن) نہیں بلکہ (ہی) یا (بھی) ہے ' اس صورت میں مطلع ٹھیک ہو جاتا ہے ' اور شعرا نے بھی اپنی اپنی رائیں پیش کیں مگر عقیدت مند کب مانتے ہیں - یہ پہلی غزل حمد میں ۷ شعر کی ہے مگر کوئی شعر خاص طور پر قابل ذکر نہیں ' دو ایک شعروں میں ناگوار تعقید بھی ہے دوسرے صفحے سے عشقیہ کلام شروع ہوتا ہے 'پہلا مطلع یہ ہے :

بکتے بکتے تو ' تو اے ناصح مرا سر کھا گیا
دل گیا میرا تو پھر تیری گرہ سے کیا گیا

یہ " تیری گرہ سے کیا گیا " نظم کرنے کے لئے کہا گیا ہے جیسے شعر وہ خود بہت پسند کرتے اور شعر یہ جھوم جھوم کر سناتے تھے - دوسرا شعر ملاحظہ ہو :

کچھ شباب آتے ہی آج اس پر توکل اس پر ستم
اک ذرا سا حسن کیا پایا کہ تو' اترا گیا

اس میں زبان کا جو لطف ہے' وہ تو اہل نظر سے مخفی نہیں لیکن پہلے مصرعے میں (کچھ) کچھ یونہیں سا ہے' اور دوسرے میں "ذرا سا حسن" معشوق کے لیے کہنا صحیح ذوق محبت کے منافی ہے۔ سچ یہ ہے کہ حضرت شوق کی شاعری محبت کی شاعری نہیں بلکہ رسمی غزل گوئی تلازمہ و محاورہ بندی ہے۔ اور فرماتے ہیں:

مرے منہ پر کسی سے لے کے تجھ کو پان کھانا تھا
ترے ہونٹوں کو میرے خون کا بیڑا اٹھانا تھا
یہ آہیں چند میں نے کھینچ دیں صرف اوپرے دل سے
اثر کی کب تمنا تھی فقط اس کو ڈرانا تھا

آہیں کھینچ دینا' یا کھینچ لینا' دونوں ٹھیک نہیں۔ آہیں کھینچیں ہی فصیح معلوم ہوتا ہے۔ پہلے شعر میں "مرے منہ پر" بھی اچھا نہیں ہے۔ اس زمین میں یہ شعر خوب کہا ہے:

تمہاری' غیر کی' ناصح کی' اب تو سب کی سنتے ہیں
کسی کی ہم نہیں سنتے تھے وہ بھی اک زمانا تھا

حقیقت میں بہت پاکیزہ شعر ہے' یہ حالت ایک وقت انسان پر گذرتی ہے اور پھر ضرور اس کی یاد آتی ہے —

ذیل کے مطلع میں بھی ایک بات نظم کی ہے' یہ اور اس قسم کے کثرت سے اشعار ایسے ہیں' جن پر خود مصنف کو ناز تھا' اور بہت سے احباب و عقیدت مند محض مروتاً شوق سے سنتے اور جوش و خروش سے داد دیتے تھے۔ آخر میں تو وہ صرف لغت و زبان کی ضرورت سند کے لئے شعر کہا کرتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ محاورات نظم میں بندھ جائیں تاکہ لغت کی کتابوں کے لئے سنداً آئندہ کام آئیں فرماتے ہیں:

دل کھوتا ہے' ہم کو اس سے راز عشق نہ کہنا تھا
"گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" اتنا سمجھے رہنا تھا
کیوں ہنستے ہو' میں جو برہنہ آج جنوں کے ہاتھوں ہوں
کچھ دن گزرے میں نے بھی خوش رنگ لباس اک پہنا تھا

خوش رنگ لباس سے غالباً جوگیا لباس مراد ہے جو بعد کو شدت جنوں نے اتار

پھنکوایا اب شاعر ننگا پھر رہا ہے اور لوگ اس فطری لباس پر ہنس رہے ہیں -
یہ مقطع میر تقی کی شاعری اور اُسی دور قدیم کی یاد دلاتا ہے :

ہمت ہاری ' جی دے بیٹھے' سب لذت کھوئی اے 'شوق'
مرنے کی جلدی ہی کیا تھی ' عشق کا غم کچھ سہنا تھا

متقد میں کی طرح چھوٹی اور طویل بحروں میں ' آخر عمر میں بہت طبع آزمائی کی ہے ' مگر دل میں وہ درد ' وہ کسک نہیں ' نہ صحیح مذاق شعری ' اور محبت کی چاشنی ہے - بعض بعض شعر ضرور قابل قدر ہیں ' یہ شعر بھی بڑے مزے کا کہا ہے :

آنکھ اس ادا سے اُس نے دکھائی کہ میں نے ' شوق '
چپکے سے اپنا مے کا بھرا جام رکھ دیا

کوئی نئی بات نہیں ' مضمون پامال و فرسودہ ہے لیکن زبان کی صفائی و سادگی اور بندش کی بر جستگی وچستی نے خاص مزہ پیدا کردیا ہے - یہ شعر اُنھیں کے رنگ کا ہے:

وہ بد خو ہے ' اور ٹھکانا ڈھونڈیں دل بہلانے کا
اب سے آئے گھر سے آئیے ' نام نہ لیں گھر جانے کا

اس کے دوسرے مصرعے میں بھی ایک محاورہ کامیابی کے ساتھ نظم کیا ہے - رامپور کے قیام میں جب کہ حضرت شوق کا آخری دور تھا ' وہ ایسی بحروں میں فکر کرتے تھے ' قدرت کلام حاصل تھی - مگر رعایت لفظی اور محاورہ بندی ہاتھ سے کہاں جاتی ہے - درد و اثر ' جذبات نگاری ' محاکات ' جو تغزل اور شعر کی جان ہے ' بہت کم پائی جاتی ہے - البتہ کہیں کہیں کچھ جھلک ہے ' مثلاً

بو آتی ہے ساتھ ہر نفس کے کچھ جلنے لگا کباب کا سا

بیٹھ گیا 'شوق' ایک گلی میں کیا جانیں کیا جی میں آیا
شباب آیا ' وہ آنت ڈھا رہے ہیں نئی دولت ملی اترا رہے ہیں
نہ پوچھو غم میں دل کے ضعف کا حال کہاں کا دل ہمیں اب کیا رہے ہیں
جلنے ٹکڑے ہیں دل ناکام کے سب نگینے ہیں تمھارے نام کے
پڑتی ہے تجھ پر فرشتوں کی نظر منہ چھپا او سونے والے بام کے
سن کے میر انام بولے کون 'شوق' ؟ سیکڑوں دنیا میں ہیں اس نام کے

کیا مزیدار شعر کہے ہیں ' زبان کی سادگی قابل داد ہے' اور سنئے :

کچھ دل کی سناؤں کچھ جگر کی بیٹھو تو کہوں اِدھر اُدھر کی

ذہن کا شعر کیا لاجواب کہا ہے :

دامن کو ذرا بچائے رہنا دنیا نہیں گرد ہے سفر کی

کٹ گئی عمر لکھتے لکھتے خط اور ابھی حال عشق مجمل ہے

بہر حال دیوان شوق جیسا کہ مقدمہ نگار صاحب نے لکھا ہے " زیادہ تر اس غرض کے لئے ہے کہ آئندہ کے طالبان فن اور محققین زبان ان کے نتائج کتب بینی اور پنجاہ سالہ تجربے سے فائدہ اٹھائیں " مگر شاعرانہ دل فریبیاں بھی اس کے صفحات میں ملتی ہیں اور وہ قدیم طرز میں بھی بندش سے بعض اوقات خاص لطف پیدا کر دیتے ہیں ۔ مثلاً :

هم نہ مانیں کہ کھلی سرخی خواب آنکھوں سے
پھوٹ نکلا ہے ترا رنگ شباب آنکھوں سے
دو گھڑی کے لئے وہ آئے تو دو گھر لوٹے
لے گئے چھین کے دل سینے سے خواب آنکھوں سے

کیا مشکل زمین ہے ، جس میں (آنکھوں سے) ردیف ہے ، مگر کیا اچھے اچھے شعر اپنی مشاقی اور قادر الکلامی سے نکال لئے ہیں اور دیکھئے :

اتنی تو اس نے کی مری دل سوزیوں کی قدر
تربت پہ اک چراغ سر شام رکھ دیا
گل ہو کے میں کیا ہنستا ایسا نہ تھا غم میرا
شبنم کی طرح گزرا روتے ہی جنم میرا

اس میں جنم گزرا باندھا گیا ہے ، خدا جانے یہ کہاں تک بلحاظ زبان ٹھیک ہے ۔ نئے نئے قافیوں اور ردیفوں میں کثرت سے دیوان شوق میں غزلیں ملیں گی ۔ یہ کیا خوب کہا ہے :

رونے سے میرے کھل گیا ظالم پہ درد عشق
ہچکی جو آئی ، منہ سے کلیجا نکل پڑا

، ذوق وظفر کی طرح ہم لکھ چکے ہیں کہ حضرت شوق کو محاورہ بندی و مثل بندی کا جیسا شوق ہے ویسا ہی مشکل زمینوں میں بھی کہنے کا ذوق و ملکہ رکھتے ہیں اور ایسے ایسے شعر نکالے ہیں کہ ان کی قدرت کلام کو ماننا پڑتا ہے ۔ مگر اپنا رنگ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ۔ فرماتے ہیں :

میں غیر ہوں اس سے یہ کھٹک جائے تو اچھا
دل اُس کا مرے دل سے اٹک جائے تو اچھا

دل مرا ٹوٹا تو اس کو کچھہ ملال آ ھی گیا
اپنے بچپن کے کھلونوں کا خیال آ ھی گیا
وصل کی شب مجھے کیا کیا ہوئے دھر کے اے شوق
اس کی پرچھائیوں میں تھا نور سحر ھی کا سا
کچھہ ھٹا رنگ اسکی مہندی کا تو لطف آنے لگا
چاند کا ٹکڑا وہ ھر ناخن پہ چمکانے لگا

دو شعر یہ بھی کیا خوب ھیں :

ھاتھوں سے مونھہ چھپا کر دل مفت لو کسی کا
یوں بھی کہیں ھوا ھے سودا ھنسی خوشی کا
پامردی جنوں نے کیا کیا دکھائیں سیریں
وارفتہ ھو گیا میں صحرا کی زندگی کا

یہ زمین دیکھئے :

سر کو کسی معشوق پہ وار آؤں تو اچھا
جن عشق کا یوں سر سے اتار آؤں تو اچھا

اس قسم کا ابتذال مذاق ھمارے قدیم استادان فن کے کلام میں اکثر ھے ' اور یہ نتیجہ ھے لفظی شاعری کا - ذیل کے شعر میں ایک بات پیدا کی ھے —

جبر شیوہ نہیں ارباب وفا کا ورنہ
تو مقید کشش دل کے اثر میں رھتا
حسن خالق نے دیا تھا تو دیا تھا لیکن
یہ بھی کیا اس نے کہا تھا کہ ستم گر ھونا
جان اب نہیں باقی ھے مجھے دفن کرا دو
تم دل پہ نہ جاؤ یہ اچھلتا ھی رھے گا
دل کا دینا مجھے کیا آپ ھی منظور ھوا
پھوٹ پڑی اس پہ جوانی تو میں مجبور ھوا
میری قسمت سے ھوا نذر تغافل وہ بھی
میں تو سمجھا تھا کہ جور اب ترا دستور ھوا

ناخن اب کاوش ہر روزہ کے غم سے چھوٹا
مستقل لطف ہوا، داغ جو ناسور ہوا

ضعف میں بھی کام ستل رنگ چل ہی جائیگا
ہو نہ ہو جنبش مرا پہلو بدل ہی جائیگا

ذیل کا شعر بھی آج کل کون پسند کریگا :

یاد آئیگا چھتی کا دردہ، جس دن اے مسیح
اس لب معجز نما کا سامنا کرنا پڑا

اس زمین میں اور بھی شعر ہیں مگر ہمارے کام کا کوئی نہیں، ابتذال کا ایک شعر اور دیکھیے :

بلبل سے لڑا دیتے ہیں گُل مجھ کو دکھا کر
دیتے ہیں وہ دھوکا کہ یہ ہے گال ہمارا

یہ شعر اچھا کہا ہے :

میں کس امید پہ دیکھوں ستم ظریف کا منہ
جواب ایک تبسم ہے سو سوالوں کا

یہ پوری غزل سلجھی ہوئی اور اچھی ہے - پھر کہتے ہیں :

دل پڑا نظروں کی تیغوں میں تو کٹ ہی جاے گا
ٹکڑے ٹکڑے ہوکے پھر غمزوں میں بٹ ہی جاے گا

ہم وہ نہیں کہ حشر میں غافل ہوں آپ سے
میدان ہی میں اٹھ کے قدم لینگے دیکھنا

یہ شعر داد طلب نکل گیا ہے :

وہ دن فراق کا کہ نہ لائے خدا جسے
اس عشق میں بدا ہے بہر طور دیکھنا
کچھ سہارا مرے جینے کا رہا ہی کب تھا
ابھی مرنا نہیں تم نے یہ کہا ہی کب تھا
دل ہی قابو میں نہیں تجھ پہ جو قابو ہو تو کیا
یاس دونوں سے ہے اب دل ہو تو کیا تو ہو تو کیا
تب تو مارا مجھے حشر آیا تو گھبرائے نا ؟
میں جو کہتا تھا کہ پچھتاؤگے پچتائے نا ؟
کوئی مقام نظر آگیا جو بن کا سا کہا جنوں کہ نے یہ ہے مرے وطن کا سا

یہ سب غزلیں مشکل زمینوں میں ہیں، اور یہ زیادہ تر خود حضرت شوق

ہی کی اختراع ہیں - شعر تقریباً ایسے ہی ہیں جیسے یہ مطلعے میں ' یہ شعر غور طلب ہے :

چمن سے صبر ہے مجھ تک ہوا تو آنے دے
نہ بستگی کو مرے پنجرے پہ کس صیاد

اس غزل میں کس ' بس قافیہ ہے - اور اس شعر میں ' پنجرا ' بر وزن فاعلن کہا ہے ' حالانکہ زبانوں پر تو 'پنجرا' بر وزن فعلن ہے - مقصود شعر صرف بستگی کو باندھنا تھا اور کچھ نہیں - ایک یہ زمین نکالی ہے :

سبزہ رنگوں پر لہرائے ' شوق کریں وہ تلنگ تو پھر؟
بھنگ کا کھانا سہل ہے لیکن موجیں لائیں رنگ تو پھر؟

عجب زمین ہے ' اس میں شعر کہنا مشکل ہے - کلام موزوں البتہ ہوسکتا ہے - دوسرے مصرعے میں بھنگ کھانا محل تامل ہے بھنگ پینا زیادہ متعارف ہے -

کاکلوں سے عارضی اس کا شباب آیا نظر
گھونگھروں سے حسن رخ پادر رکاب آیا نظر

موت آگئی اب آئے تو کیا دوگے تم آکر
کچھ نیند نہیں ہے کہ جگا دوگے تم آکر

ہم بھی ہیں ولولوں پہ جو وہ ہیں اُمنگ پر
دونوں تلے ہوئے ہیں برابر کی جنگ پر

یہ سب شعر خاص اُن کے رنگ کے ہیں -یہ شعر کیا خوب کہا ہے :

دل پڑگیا کشاکش امید و بیم میں   در پر کبھی نظر ہے کبھی پاسبان پر

مضمون رشک اکثر شعرا نے باندھا ہے ' حضرت شوق فرماتے ہیں :

اس رشک سے لکھا نہ کبھی میں نے شوق خط
آئے کا اس کا نام قلم کی زبان پر

یہ شعر بھی خوب کہا ہے اور ایسی زمینوں میں شعرائے موجودہ کو ضرور فکر کرنا چاہئیے بلکہ ان کا عام رواج ہونا چاہئیے کہ قید ردیف سے آزاد ہیں - فرماتے ہیں :

وارفتگی عشق میں باقی نہ رہے ہوش
ہستی مری مجھ کو ہوئی اک خواب فراموش

جس ستم گر نے کیا لاکھوں تمناؤں کا خون
یاد کرتی ہے تمنا پھر اس کو آج کل

" کو آج کل " اس غزل کی زمین ہے ' مگر یا کیزہ شعر نکالا ہے - اور فرماتے ہیں ;

ملنے والے چھوڑتے جاتے ہیں کچ رو جان کر
جا رہے ہیں ہم دیار بیکسی کو آج کل

یہ کچرو کچھہ کھپا نہیں - چند اور منتخب شعر لکھتا ہوں :

ظالم کی جفا کم نہ مرا درد جگر کم
ہے لاگ برابر کی ادھر کم نہ ادھر کم
مل کے ہوئے جو آشنا ہم سے نظر ' نظر سے ہم
کھٹ کے ہوے جدا جدا ہم سے جگر جگر سے ہم

وہ ترس کھا کر جو دل سے مجھہ حزیں کی سی کہیں
لب نمک پروردہ ان کے ہیں انھیں کی سی کہیں
غرور جور کا بانی ہے اور کچھہ بھی نہیں
یہ مقتضاے جوانی ہے اور کچھہ بھی نہیں

نفس کی چال ترے گھر سے چل کے جاتے ہیں
یہیں پھر آتے ہیں جب ہم نکل کے جاتے ہیں

ہے آئینے میں اپنا محو دیدار آپ ہی اب تو
وہ اپنی تاک چوٹی ہے گرفتار آپ ہی اب تو

گلیوں گلیوں ہم نے لاکھوں کنکرے پتھر کھائے ہیں
لڑکوں نے دیوانہ پا کر ناک چنے چبوائے ہیں

ان دونوں مذکورہ شعروں میں صرف دو محاورے باندھنا تھے ' وہ تو بندہ گئے مگر مذاق لطیف کا خون ہو گیا - اور سنئے :

دل ہے فریادی کہ دست ظلم کا کل ہے دراز
باندہ لو جوڑا کہ قصہ مختصر ہی کیوں نہ ہو

یہ غزل کیا خوب کہی ہے:

دل لیکے گئی ہے کہ جگر لے کے گئی ہے
کچھہ تو مرے پہلو سے نظر لیکے گئی ہے

اللہ کرے آج نہ پلٹائے اسے یاس
امید جسے جانب در لیکے گئی ہے
باد سحری ان کو مرا حال دکھانے
سوکھا ہوا اک برگ شجر لیکے گئی ہے

ذیل کا شعر مصنف نے نکال دیا ، مگر ہمیں یاد رہ گیا تھا ، دیوان میں نہیں ہے :

برچھی سے کبھی میں نے چرایا نہیں پہلو
جب آئی ہے تب لخت جگر لیکے گئی ہے

یہ غزل کیسی مشکل زمین ہے مگر مطلع ہی سے اس کا اندازہ کر لیجیے :

روؤں اے بادل تو جل تھل بھر کے چھوڑوں تو سہی
تجھ کو میں پانی سے پتلا کر کے چھوڑوں تو سہی

"توسہی" کی ردیف میں صرف اپنا کمال اور مشاقی دکھانا تھا۔ ابتذال کی حد ہوگئی
یہ شعر خوب کہے ہیں :

ہر روز ترقی یہ جو ہے حسن کی صورت
ایک ایک سے ملتی نہیں تصویر کسی کی

اس قافیے میں یہ شعر خوب کہا ہے اور مجھے بہت پسند آیا :

پہنچا ہے جنوں تک اثر جوش گل ایسا
بلبل سی چھکنے لگی زنجیر کسی کی

یہ مطلع بھی بہت پاکزہ کہا ہے :

کیا قیامت ہے کہ چڑھتا ہے نہیں سے کوئی
روز اک دل انہیں دے لا کے کہیں سے کوئی
گر پڑا ہاتھ سے آئینہ ، یہ ہم نے دیکھا
پوچھے اب اُن کے تحیر کو انہیں سے کوئی
ان بلاؤں نے کہاں سے مرا گھر دیکھ لیا
کہ فلک سے کوئی آتی ہے زمیں سے کوئی

وہ خوش کہ ہے جگر کو نظر میں لئے ہوئے
میں خوش کہ ہوں نظر کو جگر میں لئے ہوئے
زلفوں سے دل کو پھینک بھی دو ورنہ عمر بھر
بیٹھے رہو گے درد وہ سر میں لئے ہوئے

دوسرے مصرعے میں 'درد کو' تھا پھر مصنف نے 'درد وہ' بنایا - لیکن حقیقت یہ ہے کہ 'کو' اور 'وہ' دونوں برائے بیت ہیں - ذیل کا شعر کیا خوب کہا ہے حالانکہ زمین بہت مشکل ہے -

خدا ہی ہے مری توبہ کا جب ساقی کہے مجھ سے
ارے تو بھی کہاں کی پارسائی لے کے بیٹھا ہے

دیکھنا اس کا نہ ہو اے شوق اگر مد نظر
آنکھ میں پتلی تو پتلی میں نظر ہی کیوں بنے

بچپن میں جو اڑاتے تھے کل پر لیے ہوئے
سر آج اڑا رہے ہیں وہ خنجر لیے ہوئے

قد جو اوروں سے ہے نیچا تو نہ شرماؤ تم
ناز سے باغ میں نخل گل تر نیچا ہے

دونوں شعر ابتذال ذوق کے گواہ ہیں اور ذیل کے شعر خوب ہیں :

ہماری جان وہ کیا لیں بدن میں جب ہو بھی
بدن بھی کھلکے ملا پیرہن میں جب ہو بھی

غالباً اہل زبان ایسی جگہ 'جب ہو بھی' کی جگہ 'ہو بھی' اب کافی اور فصیح سمجھتے ہیں —

درازدستی زلف رسا کے ہم قائل
مگر کہاں دل وحشی بدن میں جب ہو بھی

چھری کے وار پہ منہ سے دعا نکلتی ہے
کسی کا ہاتھ کسی کی زبان چلتی ہے

بتاؤں کیا شب فرقت میں سانس کی حالت
تمام رات چھری سی جگر پہ چلتی ہے

ہوا نہ بگڑے کہاں تک دیار الفت کی
تری زبان تو ہر وقت زہر اگلتی ہے

ہوا ہو، چاہے زمانہ ہو چاہے رنگت ہو
زیادہ سب سے تمہاری نظر بدلتی ہے

مذکورہ غزل کیا خوب کہی ہے، مشکل زمینوں میں دو تین شعروں کی اور رحمت فرمائیے —

تیر کو کیوں دوں کہ جس رخ جائے وہ دل لے کے جائے
دوں نظر کو جو پھرے اور سوئے قاتل لے کے جائے

جھڑکیاں ان کی سہوں میں یہ تو ممکن ہے مگر
مسکرا ہی کیوں نہ دیں غصہ اتر ہی کیوں نہ جائے

یہ جناب شوق قدوائی مرحوم کے رنگ تغزل پر ایک بسیط نظر تھی، حقیقت یہ ہے کہ اس کے لئے وہ پیدا ہی نہیں ہوے تھے - مگر زمانے کی بد مذاقی کی اھر بہا لے گئی اور پھر ایسا رنگ چڑھا کہ طبیعت ثانیہ بن گیا - ورنہ وہ صرف بیانیہ نظموں کے لئے پیدا ہوے تھے - اور ان کی بہت سی نظمیں بے مثل ہیں، بہت مقبول ہیں، کورس میں شامل ہیں، اور ارباب ذوق شوق سے پڑھتے ہیں - ہمیں یقین ہے کہ ان کے بلند اقبال صاحبزادے شیخ طاہر علی اور داماد لائق شیخ رضی الدین صاحب بیرسٹر ان کی نظموں کو بھی اسی شان اور اہتمام سے جلد چھپوا دیں گے اور مقدمے میں جو کمی رہ گئی ہے وہ پوری ہوجاے گی - تاکہ اس بلند پایہ شاعر کی اصلی کاوش فکر کے نتائج سے دنیا محروم نہ رہے اور یوں دیوان کے مطالعے کے بعد ناظرین مایوس نہ ہوں بلکہ اس کوفت کی پوری تلافی ہوسکے —

عناصر اربعۂ رباعی (فارسی)

مؤلفۂ مولوی مسعود علی صاحب بی - اے، ملنے کا پتہ : آقا سید محمد علی
پروفیسر نظام کالج، حیدر آباد - دکن - قیمت ۶ آنے، حجم ۵۶ صفحے -
سائز ۱۸ ۲۲ - لکھائی چھپائی، کاغذ متوسط

یہ ایک فارسی لکچر ہے، جو مؤلف صاحب نے "شعبۂ جامعۂ معارف ایران در حیدرآباد" کے ایک جلسے میں ۲۱ جمادی الثانیہ سنہ ۱۳۴۴ ھ کو دیا تھا، اور اب شائع ہوا ہے - اس میں رباعی کی تاریخ، اس کے اوزان مقررہ کے بعد اپنے خیال کے موافق یہ بتایا ہے کہ فارسی ادبیات میں رباعی کے چار نمایاں عناصر بابا طاہر عریاں، ابو سعید ابوالخیر، خیام اور سحابی استر آبادی ہیں - ان نامور شعرا کے مختصر حالات بھی دیے ہیں اور کچھ کلام بھی پیش کیا گیا ہے - رباعی پر یہ ایک اچھا خاصہ چھوٹا سا رسالہ ہے —

غالب اور اس کی شاعری

از مولوی احمدالدین احمد صاحب مارہروی بی - اے، سائز چھوٹا -
قیمت ۶ آنہ حجم ۴۰ صفحے - لکھائی، چھپائی، کاغذ متوسط
ملنے کا پتہ : سفیر بک ایجنسی- سبزی منڈی - الہ آباد -

یہ مسلمہ ہے کہ ہندوستان میں جتنی روشن خیالی، تعلیم، اور سلامت مذاق بڑھتی جاتی ہے، اتنی ہی غالب شناسی بھی ترقی کر رہی ہے اور کرے گی - یہ رسالہ

بھی حالی و بجنوری کی حقیقت کیش نوا کی ایک صدائے باز گشت ہے۔ مؤلف نے مختصراً غالب کے کلام سے اس کا کمال ثابت کیا ہے اور یہ کہ حکمائے یورپ کے نزدیک حقیقی شاعری کیا ہے، شعر کی اصلی روح کیا۔ اور وہ غالب کے یہاں ایک بدرجۂ اتم موجود ہے۔

مذہب

اسلام اور غیر مسلم

مولفۂ : مولوی محمد حفیظ اللہ صاحب پھلواروی۔ ملنے کا پتہ :
مسلم بک ڈپو پھلواری شریف ضلع پٹنہ (بہار) سائز چھوٹا،
لکھائی، چھپائی، کاغذ متوسط۔ حجم ۷۲ صفحے، قیمت ۸ آنے)

یہ اسلام کے خلاف اعتراضات کا ایک مفید تر دیدی رسالہ ہے اور اس قسم کے مفید رسالے جناب مؤلف اور بھی شائع کر چکے ہیں جو نہایت مقبول ہوئے ہیں۔ بعض کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہو گیا ہے اسلام پر یہ ایک عام دشمنان اسلام کا اعتراض ہے کہ وہ تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے۔ اس کا نہایت متین رد اس مختصر رسالے میں ہے —

تعلیم

بچوں کا دستور العمل (یا) سیرت و کردار

مصنفۂ مولوی محمد عبدالرحمن صاحب رئیس۔ ملنے کا پتہ:
مکتبۂ ابراہیمیہ اسٹیشن روڈ، حیدر آباد دکن قیمت آٹھ آنے
حجم ۶۰ صفحے

یہ چھوٹا سا رسالہ مولف نے بچوں کی ابتدائی تربیت اور اصلاح اخلاق کے لیے لکھا ہے قلم جلی ہے اور چھوٹے چھوٹے سبق ہیں - مثلاً : مدرسہ ' لباس ' وقت کی پابندی ' قرض ' حسد وغیرہ - زبان سہل ہے - جسے بچے بخوبی پڑھ اور سمجھ سکتے ہیں ' اور اُن کے لیے مفید بھی ہے - بعض زبان اور کتابت کی غلطیاں البتہ محتاج اصلاح ہیں قیمت بھی زیادہ ہے اور نام بھی ہمارے خیال سے بھونڈا اور لمبا ہے —

فلسفۂ رنج و راحت

مصنفہ مولوی عبدالرب صاحب 'کوکب' مولوی فاضل اڈیٹر
رسالۂ اتالیق - حیدرآباد دکن - سائز چھوٹا - حجم ۵۶ صفحے '
قیمت دس آنے - لکھائی ' چھپائی ' کاغذ معمولی —

اس مثنوی میں مصنف صاحب نے یہ بتایا ہے کہ انسان کو ہر وقت خوش و مسرور رہنے کی کوشش کرنا چاہیے اور جو کچھ غم و آلام اُسے ہوتے ہیں ' ان کے اسباب وہ خود' پیدا کرتا ہے- ذوق سلیم ہو تو ہر شے سے آدمی انبساط حاصل کرسکتا ہے - مثنوی کا بیان زرا خشک ہے - اور شعری محاسن و دل کشی کم ہے - قیمت بھی بہت زیادہ ہے —

معیارالاخلاق . عربی

از مولوی عبدالرب صاحب 'کوکب' مولوی فاضل مدیر رسالۂ اتالیق
حیدرآباد دکن- قیمت درج نہیں - ملنے کا پتہ : مولف' محلہ
شاہ علی بنڈہ - حیدرآباد - دکن سائز ۱۸ × ۲۲ لکھائی'
چھپائی' کاغذ نہایت خراب -

یہ ایک عربی کا مختصر رسالہ ہے - جسے مبتدی عربی پڑھنے والوں اور کم عمروں کے لیے اخلاقی تعلیمی رسالہ سمجھنا چاہئے مختلف عنوانوں اور سر خیوں کو قائم کر کے اخلاق کی حقیقت ' اخلاق شریفانہ ' رذائل اخلاق آسان عربی میں بتائے گئے ہیں —

گاے بیل

(مؤلفۂ جناب محمد نصیر ہمایوں صاحب بی - اے - قومی
کتب خانہ ریلوے روڈ ' لاہور) —

یہ صاف اور سلیس زبان میں چھوٹی سی کتاب گاے بیل پر ہے - اس میں گاے بیل کی نسل' دودھ' بیماریوں' خوراک ' ان کی دیکھہ بھال وغیرہ کے متعلق تمام حالات بہت اچھی طرح بیان کئے ہیں - تصویریں بھی دی ہیں —

ظریف معلم جلد اول و دوم

مؤلفۂ بابو ادیتہ پرشاد صاحب بی - اے' ال - ال - بی' وکیل لکھنؤ -
قیمت فی جلد ۵ آنے - ادیتہ بھون لکھنؤ)

قابل مؤلف نے باتوں باتوں' لطیفوں' چٹکلوں اور حکایتوں میں بچوں کو پڑھنے لکھنے کی چاٹ لگائی ہے - اسی کے ضمن میں اخلاقی سبق بھی آ گئے ہیں - اکثر سبق مکالمے کی صورت میں ہیں اور بہت دلچسپ ہیں - آج کل بچوں کے لئے بہت سی کتابیں لکھی جارہی ہیں' لیکن ایسی پر لطف کتابیں دیکھنے میں نہیں آئیں - زبان بہت صاف ستھری اور بامحاورہ ہے - کہیں کہیں سادہ تصویریں بھی ہیں - بچوں کے لئے یہ بہت اچھا تحفہ ہے —

تاریخ و سیر

مزارات حرمین

مؤلفۂ مولوی علی شبیر صاحب سررشتہ دار انتظامی ہائی کورٹ حیدرآباد - دکن
مطبوعہ انوارالاسلام پریس - قیمت ۳ روپیہ ۸ آنہ - حجم ۳۰۰ صفحات
سے زیادہ - مجلد فل کلاتھہ ۲۰×۲۶ - لکھائی چھپائی عمدہ کاغذ متوسط سفید

جناب مؤلف کا یہ سفرنامۂ حرمین بھی ہے اور حقیقت میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے مشہور مزارات و مقابر کی ایک جامع اور مفصل تاریخ ہے - جناب مؤلف

مذہب سے محبت اور اسلامی درد اپنے دل میں رکھتے ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ وہ سنہ ۱۳۴۵ھ میں زیارت حرمین اور فریضۂ حج کے لئے گئے تھے اور ابن سعود والی حجاز و نجد نے ایک عبا بھی مرحمت کی تھا۔ انھوں نے حرمین کے مزارات اور مقابر کا یہ تذکرہ نہایت قابلیت سے مورخانہ انداز میں لکھا ہے۔ اس خاک پاک میں جتنے مزار اور قبرستان تاریخی و مذہبی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سب کو جستہ جستہ موصوف نے دیکھا اور ان کی موجودہ و سابقہ حالت کو لکھا ہے۔ موجودہ حالت تو وہ ہے جو سعودی حکومت نے شرعاً مقابر کی بلندی و پختگی کو ناجائز سمجھ کر انہیں ڈھا دیا ہے۔ اور سابقہ حالت کو موصوف نے عربی فارسی انگریزی کی تاریخوں اور یورپ و ایشیا کے سیاحوں اور حاجیوں کے سفر ناموں سے اخذ کرکے بیان کی ہے۔ اس حیثیت سے یہ کتاب اپنی موضوع کے لحاظ سے تاریخ کی ایک اہم کتاب ہوگئی ہے۔ اور اب تک غالباً اس خاص موضوع پر عربی فارسی میں بھی کوئی کتاب نہ تھی۔ بیان میں کہیں مذہبی غلو نہیں ہونے پایا ہے اور زبان بھی صاف شستہ ہے، جا بجا جغرافیہ و تاریخی نوٹ دے کر اور زیادہ کتاب کو مفید بنادیا ہے، اب یہ مسلمانوں کے ان مقدس مقامات کے متعلق تاریخی معلومات کا مفید عمدہ ذخیرہ ہوگئی ہے —

حیات جلیل

(یعنی تذکرۂ علامہ میر عبدالجلیل بلگرامی مؤلفہ جناب مقبول احمد صاحب
صمدنی - دو حصوں میں - تعداد صفحات تقریباً چھ سو - مطبوعہ
رام نراین لال الہ آباد - قیمت تین روپے)

اس کتاب میں ہندوستان کے ایک نامور فاضل علامہ میر عبدالجلیل بلگرامی کا تذکرہ ہے۔ لیکن اس کے ضمن میں بہت سے مشاہیر اور مقامات واقعات کا ذکر آگیا ہے جو تاریخی لحاظ سے بہت ہی قابل وقعت ہے۔ کوئی صفحہ حواشی سے خالی نہیں - حواشی بجائے خود کتاب سے کئی گنا زیادہ ہیں، جو بعض اوقات بہت طویل اور کہیں کہیں غیر ضروری نظر آتے ہیں، لیکن تاریخ کے شائق کے لئے وہ بہت کار آمد ہیں - فاضل مولف نے اس تذکرے کو نہایت تحقیق، دلی شوق اور کمال محنت سے لکھا ہے۔ صدہا کتابیں کھنگال ڈالی ہیں اور کوئی ماخذ جسے اس موضوع سے بعید تعلق بھی تھا، ان کی نظر سے نہیں بچا۔ قابل مؤلف کی نظر اور معلومات بہت وسیع ہیں۔ اس کتاب کو پڑھ کر سچی خوشی ہوئی اور حقیقت یہ ہے کہ مؤلف نے لکھنے کا حق ادا کردیا ہے۔

کہنے کو تو علامہ میر عبدالجلیل کا تذکرہ ہے لیکن در اصل اس عہد کا تاریخی مرقع ہے - جو لوگ اٹھتے بیٹھتے کتابیں لکھ ڈالتے ہیں اور تحقیق و محنت سے جی چراتے ہیں' اُن کے لئے سبق اور جو اس رستے پر چلنا چاہتے ہیں' ان کے لئے اعلی نمونہ ہے - ہر لکھنے والے کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ بغیر مسلسل محنت اور جانکاہی کے کوئی اچھی چیز پیدا نہیں ہوسکتی —

جن صاحبوں کو ہندوستان کی تاریخ اور حالات سے ذرا بھی لگاؤ ہے وہ اسے منگا کر ضرور پڑھیں —

یہ معلوم کرکے اور بھی خوشی ہوئی کہ وہ میر غلام علی آزاد بلگرامی کے سوانح و حالات لکھ رہے ہیں - وہ کتاب اس سے بھی زیادہ قابل قدر ہوگی —

اُردو کے جدید رسالے

ادبی دنیا

(ماہانہ - چیف اڈیٹر جناب تاجور نجیب آبادی' اڈیٹر جناب حفیظ ہاشمی
لاہور - سالانہ چندہ تین روپے بارہ آنے)

یہ نیا رسالہ بہت آب و تاب کے ساتھ' بہت بڑی تقطیع پر جناب شیخ سر عبدالقادر کی نگرانی میں لاہور سے نکلنا شروع ہوا ہے - سر عبدالقادر کو اردو زبان سے خاص لگاؤ ہے' انہوں نے اردو کی بہت خدمت کی اور کبھی اُس سے غافل نہیں رہتے - "ادبی دنیا" کو ان کی سرپرستی مبارک ہو - چیف اڈیٹر جناب تاجور بھی کسی تعارف کے محتاج نہیں - وہ نئے نئے ڈھنگ سے اردو کی اشاعت اور فروغ کی کوشش کرتے رہتے ہیں - لاہور کی سوسائٹی اور وہاں کے اخباروں اور رسالوں میں ان کا اثر کچھ کم نہیں :

پہلے رسالے میں پہلا مضمون "ادبی دنیا کا مقصد اشاعت" ہے جسے "ایک انقلابی ادبی پروگرام" سے موسوم کیا گیا ہے اس مقصد یا "انقلابی پروگرام" کا خلاصہ یہ ہے —

۱ - "تصانیف اردو کو عام بناکر اس کے سمجھنے والوں کی تعداد کو بڑھانا" :

۲ - "اردو ادب کو دوسری علمی زبانوں کے خزانوں سے سرمایہ دار بنانا" —

۳ - "اردو انشا پردازی اور شاعری پر آسان زبان میں تعلیمی زبان کے ذریعے نوجوانوں اور طلبہ میں صحیح ذوق ادب پیدا کرنا" —

۴ - "اردو شاعری کو بہت سی غیر قدرتی پابندیوں سے آزاد کرکے آزاد زبانوں کی شاعرانہ خوبیوں کا اس میں اضافہ کرنا" —

(ب) اردو گرامر میں ضروری تغیر و تبدل اور ایسے نئے قواعد کا اضافہ کرنا جن کی موجودگی میں جدید الفاظ، جدید تراکیب اور جدید محاورات صحیح قرار دیے جائیں جو اردو کی شرائین میں خون کی طرح پھیل گئے ہیں" —

(ج) " دوسری زبانوں کے ایسے آسان اور خوشگوار الفاظ اردو میں داخل کرنا جن کے ہم معنی لفظ اردو میں نہیں ہیں یا جن کا مفہوم ہم معنی لفظ کے مقابلے میں زیادہ وسیع اور خاص معنی کا حامل ہے" —

اخباری تعلی سے قطع نظر کی جائے تو یہ مقاصد، اگرچہ نئے نہیں مگر بہت معقول اور بہت خوب ہیں - ضرورت صرف عمل کی ہے - اردو اور ہندی پر یہ بجا اعتراض ہے کہ ان کے لکھنے والے زبان مشکل بناتے جاتے ہیں، لیکن اس کی وجہ بالکلیہ یہ نہیں ہے کہ ان کے انشا پرداز خواہ مخواہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر عربی اور سنسکرت کے لفظ اپنی عبارت میں داخل کرتے ہیں بلکہ ایک مجبوری بھی ہے - جدید تعلیم اور جدید علوم کی وجہ سے جو نئے نئے خیالات، نئے نئے اسلوب اور نئے نئے مفہوم پیدا ہو رہے ہیں، ان کے ادا کرنے کے لئے ان زبانوں میں سخت دشواری ہوتی ہے - جو لوگ اس سے بے خبر ہیں، وہ اس دشواری کو نہیں سمجھ سکتے اور جنہیں ان چیزوں سے سابقہ ہے وہ جب خون جگر کھا کر کچھ لکھتے ہیں تو ہمارے شاعر اور انشا پرداز اس پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں - زبان کی سلاست اور صفائی الفاظ پر نہیں، خیال کی صفائی اور سلاست پر ہے - پھر مضمون طرح طرح کے ہیں، ہر مضمون کے لئے ایک سی زبان استعمال نہیں ہو سکتی - اور پھر اپنی اپنی طبیعت ہے، طرز تحریر کا انحصار ہر شخص کی طبیعت پر ہوتا ہے - علاوہ اس کے مشکل اور آسان اضافی چیزیں ہیں - جو چیز کل آسان تھی آج مشکل ہے، اور آج جسے مشکل کہتے ہیں کل آسان خیال کی جائے گی - نئے نئے خیالات کے ادا کرنے کے لئے جب لفظ نہیں ملتے تو انہیں مجبوراً عربی اور سنسکرت کی طرف ہاتھ بڑھانا پڑتا ہے - باوجود اس کے ہم فاضل اڈیٹر سے بالکل متفق ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو صاف شستہ اور سلیس زبان لکھی جائے - مگر اس کا کیا علاج جب خود اڈیٹر صاحب ایسی زبان لکھتے ہیں جو ان کے بیان کردہ مقصد کے خلاف ہے - دو ایک نمونے ملاحظہ ہوں :

" کیا اس قلاش اور گدا گر مغنی کو بھی جو جوئبار نغمہ اندر بھیج رہا تھا ان جذبات کا احساس تھا جو ایک غیر مرئی سامع کے دل میں ماضی کی ایک آواز کی طرح بیدار ہو رہے تھے " —

" اس مرتعش آواز کی المناک یاد تازہ کردی "

" جس سے طبیعت پر ایک سائرفی المدام مغنی کی الجھی ہوئی یا جلون خود فراموشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی " —

" بی - اے میں پنجاب یونیور سٹی کا ریکارڈ بیٹ کیا " - (بیٹ کا لفظ کس قدر مکروہ ہے)

یہی مضامین نگاروں کے مضامین کی حالت ہے - حالانکہ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر وہ مناسب اصلاح کر سکتے ہیں تا کہ کم سے کم مطلب تو سمجھ میں آ جائے یا بے رابطی قائم نہ رہے - مثلاً ملاحظہ فرمائے :

" مادام رولاں کی شہرت کا سکہ جمنے سے پہلے بھی اس نوعمر لڑکی پر بہت سے نوجوانوں کی نگاہیں اٹھ رہی تھیں " (یہاں مادام رولاں اور نوعمر لڑکی دو الگ معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں ایک ہیں)

" اس سے اس کی انقلابی روح کا معیار معلوم ہوتا ہے "

" وہ اپنی غیر سلاست زبان اور قادر الکلامی سے اعصاب کی آخری مدہوشی کو بھی بیان کر جاتا ہے "

" آہ ! خوفناک شعور کے طویل وقفوں کے ساتھ میں نے شراب پی "

" اس کا انجام کارکنان قضا و قدر کے ہاتھوں حسرت پر ستوں کا انتہائے تمسخر معلوم ہوتا ہے " —

یہ چند جملے اعتراض کی نظر سے نہیں لکھے گئے، بلکہ یہ دکھانا مقصود ہے کہ اس اصول پر عمل کس قدر دشوار ہے - شاید اسی خیال سے اڈیٹر صاحب ہر پرچے کے آخر میں مشکل الفاظ کا فرہنگ بھی لکھ دیتے ہیں ، لیکن اس سے کچھ کام نہیں نکلتا —

سب سے مشکل آخری مقصد ہے - اب تک جتنے پرچے شائع ہوئے ہیں ان میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی جس میں اس مقصد کی تکمیل میں کوشش کی گئی ہو - البتہ مختلف زبانوں کے نظم و نثر کے ترجمے ضرور پیش کئے گئے ہیں لیکن وہ ایسے نہیں جن کی ہمیں ضرورت ہے —

با وجود ان تمام باتوں کے اس میں کچھ شبہ نہیں کہ 'ادبی دنیا' اردو رسالوں میں خاص وقعت رکھتا ہے - اس نے غور و فکر اور دلچسپی کا بہت اچھا سامان بہم پہنچایا ہے اور اچھی اچھی تصویروں سے رسالے کی دلکشی میں اضافہ کیا ہے - ہماری رائے میں وہ مخزن اور نیرنگ خیال کے بین بین ہے - اس نے جن و مقاصد کو پیش نظر رکھا ہے وہ بہت قابل قدر ہیں اور ہماری دلی

تمنا ہے کہ وہ اس میں کامیاب ہو —

پیام تعلیم

(جامعۂ ملیۂ اسلامیہ دہلی کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ -
سالانہ چندہ دو روپے)

یہ رسالہ حقیقی طور پر تعلیم کا پیام ہے - بہت سلیقے سے مرتب کیا جاتا ہے - ہندوستان کے تعلیمی حالات اور عام تعلیم پر بہت اچھے مضمون ہوتے ہیں بچوں کے لئے چھوٹے چھوٹے مضمون اور قصے کہانیاں الگ ہوتی ہیں - طالب علموں ، بچوں اور بڑوں سب کے لئے بہت ہی اچھا پرچہ ہے - اس کے پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے کچھہ نہ کچھہ ضرور حاصل کیا ہے اور یہ بڑی بات ہے - چندہ بھی بہت کم ہے —

مبصر

(ماہانہ ، لکھنؤ - مدیر : جناب ابوالعلاء ناطق ،
معاون : جناب حکیم آشفتہ- چندہ سالانہ چار روپے)

انکشاف

(ماہانہ لکھنؤ- اڈیٹر جناب سید محمد نسیم ، چندہ سالانہ دو روپے)

خضر راہ

(ماہانہ لکھنؤ - اڈیٹر جناب حامد علی ، چندہ سالانہ چار روپے)

یہ تینوں رسالے لکھنؤ سے شائع ہوتے ہیں - خوشی کی بات ہے کہ لکھنؤ میں اس قسم کا علمی ذوق پیدا ہوتا جاتا ہے - ان سب میں ' مبصر ' کا پایہ بلند ہے - علمی اور ادبی مضامین بہت اچھے ہیں - نظم اور افسانے کا بھی کافی حصہ ہوتا ہے اور رسالے کو ترقی دینے کی ہر طرح کوشش کی جاتی ہے —

رسالۂ انکشاف لکھنؤ کے محکمۂ عالیۂ اسلامیہ ایک آنہ فنڈ کی جانب سے شائع ہوتا ہے اور اس کی آمدنی مساجد کی مرمت اور مدارس کی ترقی میں صرف کی جاتی ہے - یہ مقصد بہت مستحسن ہے . لیکن سوال اس میں ہے کہ آیا یہ رسالہ محکمۂ عالیہ کے لئے آمدنی کا باعث ہوسکتا ہے - ایسا نہ ہو کہ بجائے فائدے کے نقصان ہو - ادبی اور تاریخی مضامین کے ساتھہ مذہبی مضامین بھی درج ہوتے ہیں - اگرچہ تفسیر کلام پاک اور باب الفتاوی کے ساتھہ پیکر عصمت' معصوم عورت اور فریب نظر جیسے ڈرامے اور افسانے اور معمولی غزلیں کچھہ بے جوڑ سے معلوم ہوتے ہیں تصویروں کا بھی اہتمام کیا گیا ہے —

خضر راہ بھی اردو کے عام رسالوں کی طرح اردو ادب کی ترقی کا کوشاں ہے - اس میں بھی دوسرے رسالوں کی طرح نظم و نثر دونوں ہوتی ہیں - کوئی خاص بات ایسی نہیں جو امتیازی ہو -

---

کامیابی

(حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی لمیٹڈ کا ماہانہ رسالہ
اڈیٹر ڈاکٹر احمدسعید صاحب بریلوی سالانہ قیمت دو روپے دہلی)

حال ہی میں ایک لمیٹڈ کمپنی " حسن نظامی ایسٹرن لٹریچر کمپنی " کے نام سے دہلی میں قائم ہوئی ہے جس کا مقصد اردو کتب کی اشاعت ' نئی کتابوں کی تالیف ہے - یہ خیال بھی خواجہ صاحب کے دماغ کی اپج ہے . بہت اچھی سوجھی ہے ' اگر اس کا انتظام اچھے ہاتوں رہا اور کام قاعدے اور اصول سے ہوا تو اسے بہت بڑی کامیابی سمجھنا چاہئیے . یہ رسالہ اس کمپنی ہی کا ہے جو اس کے مقاصد کی اشاعت کے ساتھہ ساتھہ بہت اچھے اچھے مضامین شائع کرتا رہتا ہے - رسالے کا مقصد " مسلمانوں کی علمی ' ایجادی اور اجتہادی قوتوں کو بیدار کرنا اور ان کو ترقی و کامیابی کا بہترین طریقہ بتانا " قرار دیا گیا ہے - اگرچہ یہ رسالہ ان مقاصد کو ابھی کماحقہ انجام دینے سے قاصر ہے ' لیکن بہت سی دلچسپیوں کا مجموعہ ہے اور عمدہ مضامین کے ساتھہ معمولی چیزیں اور رطب کے ساتھہ یابس اور متانت کے ساتھہ ظرافت اور چھوٹی بڑی معلومات سب کو اس طرح سمو دیا ہے کہ پڑھنے والے کو شکایت نہیں ہو سکتی - اس قدر ساز و سامان کے ساتھہ سالانہ چندہ بہت ہی کم ہے —

امداد باهمی

(ماہانہ ، قادیان - اڈیٹر شیخ محمود احمد عرفانی صاحب ،
سالانہ قیمت چھہ روپے)

امداد باهمی بہت مبارک تحریک هے اور هندوستان میں اب اس کے فوائد ظاهر هوتے جاتے هیں - اس رسالے کا مقصد یہی تحریک هے - اس میں مختلف انجمنوں کے حالات ، زراعت وغیرہ کے متعلق مفید معلومات هوتے هیں - رسالہ اپنے مقاصد کو خوبی سے انجام دیتا هے اور جو لوگ اس تحریک کے قدر داں اور حامی هیں وہ اس کی ضرور قدر کریں گے —

ایجوکیشنل گزٹ

ماهانہ - جالندهر - اڈیٹر - شیخ محمدجان صاحب بی - اے ،
بی ٹی ؛ لالہ دینا ناتهہ دو ساج بی - اے ، بی ٹی ؛
سردار وطن سنگهہ بی - اے ، بی ٹی ؛ سید محسن ترمذی
منشی فاضل و ادیب فاضل - سالانہ چندہ تین روپے)

مقصد رسالے کے نام سے ظاهر هے - اگرچہ یہ رسالہ دو تین سال سے جاری هے لیکن اب خاص اهتمام کیا گیا هے اور اس کے حجم اور مضامین میں بہت ترقی نظر آتی هے - تعلیمی مضامین خاص طور پر بہت مفید هیں اور غور و فکر سے لکھے جاتے هیں - علاوہ تعلیمی مضامین کے ادبی ، معاشرتی تاریخی اور زرعی مضامین بھی درج هوتے هیں - تمام مضامین کا معیار مقاصد کے لحاظ سے بہت اچھا هے - اور رسالہ بہت مفید اور کارآمد هے - تعلیمی رسالے اس حیثیت اور نوعیت کے بہت کم دیکھنے میں آے هیں - رسالے کے آخر میں ایک ضمیمہ "رهنماے اطفال" کے نام سے شامل هے جو جلی خط میں هے اور اس میں بچوں کے لئے بہت سی مفید معلومات اور چھوٹے چھوٹے مضمون آسان ، نظمیں اور اُن کے کام کی باتیں هوتی هیں —

رسالۂ کیمیکل سوسائٹی

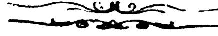
(مسلم یونیورسٹی علی گڈھ - اڈیٹر جناب محمد لطیف قریشی بی - ایس سی - اسسٹنٹ اڈیٹر ذوالفقار الحسانین صاحب - سہ ماہی - سالانہ چندہ دوروپے)—

یہ رسالہ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ کی جانب سے شائع ہوا ہے - یہ بڑی مسرت کی بات ہے کہ مسلم یونیورسٹی اسی زمانے میں علمی تحقیق اور علمی کاموں کی طرف متوجہ ہے - یہ رسالہ دو حصوں پر مشتمل ہے - ایک حصے میں اردو مضامین ہیں اور دوسرے میں انگریزی - اُردو انگریزی کا میل علی گڈھ کالج میں ابتدا سے چلا آرہا ہے اور خوشی کی بات ہے کہ یہ شان اب تک قائم ہے - مضامین ایسے ہیں جسے ہر لکھا پڑھا شخص شوق سے پڑھ سکتا ہے اور کچھ نئی معلومات حاصل کر سکتا ہے - حتی الامکان دقیق اصطلاحات کے استعمال سے احتراز کیا گیا ہے اور مطالب کو صاف اور سہل طریقے سے ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے - یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ انجمن ترقی اُردو اور جامعۂ عثمانیہ کی وضع کردہ اصطلاحات نے ملک میں قبولیت حاصل کرلی ہے - چنانچہ اس رسالے میں بھی جگہ جگہ ان اصطلاحات سے کام لیا گیا ہے - رسالہ بلا شبہ ملک کے لئے مفید ہے اور اس کے ذریعے سے اس علم کے سمجھنے میں عام طور پر سہولت ہوگی - علم کیمیا پر دنیا کی آیندہ ترقی کا بہت کچھ انحصار ہے اور اسے مقبول بنانا ایک ملکی خدمت ہے —

مسیحائے زماں

(ماہانہ - تجارہ ' الور - مدیر قاضی حکیم سید محمد کرم حسین صاحب - قیمت سالانہ دو روپے) مقام تجارہ (ریاست الور) راجپوتانے کا یہ پہلا ماہوار علمی و ادبی و طبی رسالہ ہے - اس میں ایک آدھ مضمون تجارت پر ہے اور چند مضامین طبی ہیں - کچھ مجرب نسخے بھی درج ہیں - نوجوانوں کی غلط کاریوں کے متعلق بھی معلومات ہیں اور سب سے زیادہ دواؤں کے اشتہارات ہیں - شاید یہی اس رسالے کی غرض اشاعت ہو —

چمنستان شعرا



ایک قدیم و نایاب اردو زبان کے شاعروں کا تذکرہ ہے، جو انجمن ترقی اردو نے نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے، اور اس کی تصحیح و ترتیب میں نہایت محنت و کوشش سے کام لیکر ایک دل چسپ و محققانہ مقدمے کے ساتھ چھاپا ہے۔ تذکرے کے مؤلف (دکن) کے مشہور مورخ و تذکرہ نویس لالہ لچھمی نرائن 'شفیق و صاحب' ہیں۔ سنہ ۱۱۷۲ ھ میں یہ تذکرہ تالیف ہوا، اور دنیا میں اس کا صرف ایک نسخہ ہی پایا جاتا تھا۔ عالی جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے۔ سکریٹری انجمن ترقی اردو کا مقدمہ بھی قابل دید ہے۔ حجم تقریباً ۶۰۰ صفحے۔ جلد نہایت اعلیٰ قسم کی قیمت مجلد پانچ روپے آٹھ آنے سکۂ انگریزی غیر مجلد چار روپے بارہ آنے سکۂ انگریزی —

انجمن کے مطبوعات

—— (مخزن نکات) ——

یہ اُردو شعرا کا نایاب تذکرہ ہے ۔ مصنفہ شیخ محمد قیام الدین ' قائم ' چاندپوری۔ شروع میں مولوی عبدالحق صاحب بی - اے آنریری سکریٹری انجمن ترقی اردو کا ایک مقدمہ ہے جس میں اس تذکرے پر مفصل تبصرہ کیا گیا ہے اور آخر میں قائم کے کلام کا انتخاب بھی دیدیا ہے - قیمت فی جلد مجلد تیرہ روپیہ —

—— (ذکر میر) ——

ہندوستان میں کون ایسا صاحب ذوق ہوگا جو اُردو کے خدائے سخن حضرت ' میر ' کے نام اور کلام سے نا آشنا ہو ان کے کلام کا پاکیزہ انتخاب عرصہ ہوا کہ انجمن نے شائع کیا تھا جو ملک میں بہت مقبول ہوا - اور کئی بار چھپ چکا ہے ۔ اب خاص اہتمام سے میرصاحب کی یہ نادرۂ روزگار سوانح عمری طبع کی گئی ہے - جو خود انہیں کے پر سوز و گداز قلم کی تراوش ہے - جس میں انہوں نے اپنے حالات زندگی اور اس وقت کی فضا نیز آخری دور مغلیہ کی تصویر نہایت دل کش انداز سے کھینچی ہے - اور انجمن نے اپنے مخصوص و خوش نما ٹائپ میں چھاپی ہے - شروع میں جناب مولوی عبدالحق صاحب مدظلہ معتمد انجمن کا مقدمہ بجائے خود قابل دید اور کتاب کی جان ہے - جلد خوب صورت حجم ۱۸۰ صفحے قیمت دو روپے —

—— (بزم مشاعرہ) ——

گذشتہ سال ماہ تیر (مئی وجون) میں عالی جناب مہاراجہ کشن پرشاد ' شاد ' مدظلہ العالی صدر اعظم دولت آصفیہ دکن نے اورنگ آباد میں شرف ورود فرمایا تھا - جناب معظم کی تشریف آوری پر اور دل چسپ ہنگاموں کے علاوہ ایک نہایت

المشتہر ———————————— تہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

پر تکلف ' دل فریب مشاعرہ بھی حضرت موصوف کی صدارت میں بمقام مقبرہ ہوا ۔ اس مشاعرے کا گلدستہ نہایت خوش نما ' نظر فریب دو رنگوں میں طبع کیا گیا ہے - شروع میں جناب صدر مدظلہ' کی پاکیزہ تصویر اور جناب معوی صدیقی کے قلم کا دل پذیر دیباچہ بھی ہے - سر ورق بھی خوب صورت اور شاندار ہے - آخر میں وہ قصائد بھی شامل کردیے گئے ہیں جو اورنگ آباد کالج میں پڑھے گئے تھے - نفاست پسند ارباب ذوق کے لئے بہت تھوڑی تعداد میں یہ گلدستہ طبع ہوا ہے - جلد منگوائیے قیمت آٹھ آنے —

—— (تاریخ اخلاق یورپ) ——

اس کتاب کے اصل مصنف پروفیسر لیکی کا نام علم و تبحر - تحقیق و صداقت کا مرادف ہے - یہ کتاب کئی ہزار برس کے تمدن - اصول اخلاق - مذاہب و خیالات کا مرقع ہے - مترجمۂ مولوی عبدالماجد صاحب بی - اے ' جلد اول مجلد ۳ روپے جلد دوم مجلد دو روپے ' ۸ آنے —

—— (ہماری شاعری) ——

مولوی سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ' ایم - اے پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی نے رسالہ اردو میں شاعری پر ایک مضمون تحریر فرمایا تھا جو عام طور پر بہت پسند کیا گیا تھا اب رضوی صاحب نے اس میں بہت کچھ اضافہ کرکے کتابی صورت میں کردیا ہے - اور انجمن ترقی اردو نے اسے نہایت عمدہ طور پر پوری کتاب دو رنگوں میں (لیتھو میں) طبع کرائی ہے - پورے کپڑے کی خوشنما جلد ہے - حجم دو سو صفحے ' قیمت دو روپے —

—— (کلیات ولی) ——

ولی دکنی کے نام سے کون اُردو داں واقف نہ ہوگا - اسے اُردو شاعری کا باوا آدم کہتے ہیں اور یہی گویا ہماری شاعری کا قدیم اور ممتاز ترین علم بردار ہے - اس کا کلام اس زمانے کی زبان اور شاعری کا بہترین اور کامل مرقع ہے —

یہ کلیات جناب ' احسن ' مارہروی نے نہایت محنت اور قابلیت سے مرتب کیا ہے - اور انجمن ترقی اردو کے جدید ترین مطبوعات میں ہے - اب تک ولی کے جو دیوان کہیں کہیں چھپے اور ملتے ہیں - اکثر غلط اور نامکمل ہیں - یہ کلیات ۱۷—۱۸

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

قدیم ، قلمی ، نایاب نسخوں سے مقابلہ اور صحیح کرکے کئی سال کی لگاتار محنت و کاوش سے مرتب کیا گیا ہے ----

اس قادرالکلام اُستاد کا کلیات تقریباً تمام اصناف سخن پر حاوی اور چار سو صفحوں پر پھیلا ہوا ہے ۔ شروع میں مرتب صاحب کا ایک بسیط اور قابل قدر مقدمہ ہے جس میں موصوف نے صاحب دیوان کے حالات و سوانح نہایت تحقیق اور کمال محنت سے فراہم کر کے جمع کئے ہیں اور کلام پر تبصرہ بھی فرمایا ہے ---

کلیات کے آخر میں ایک بسیط فرہنگ ہے جس میں ان تمام قدیم ، متروک ، اجنبی ، ہندی ، دکنی الفاظ کا حل ہے جو کلام ولی میں جا بجا آئے ہیں ۔ آخر میں پونے دو سو صفحے کا ایک ضمیمہ اختلاف نسخ ہے جو نہایت محنت و عرق ریزی سے مرتب کیا گیا ہے اس میں تمام نسخوں سے مقابلہ کرنے پر جو جو اختلاف نظر آیا ہے ، دیوان کی ہر غزل کے نمبر کا حوالہ دے کر بتا دیا ہے ۔ یہ ضمیمہ ارباب فن و تحقیق کے لئے خاص طور سے قدر کی چیز ہے ۔ اور کئی ماہ کی مسلسل محنت سے تیار ہوا ہے ۔ ان تمام خوبیوں کے علاوہ انجمن نے اپنے مشہور عمدہ ٹائپ میں مضبوط سفید چکنے کاغذ پر طبع کیا ہے ، قابل دید اور اس لائق ہے کہ ہر لائبریری اور قدر دانان اردو کے ہر کتب خانے میں اس کا ایک ایک نسخہ موجود رہے ۔ حجم تقریباً آٹھ سو صفحات ، قیمت مجلد ۵ روپے غیر مجلد ۴ روپے —

—— (مثنوی خواب و خیال) ——

حضرت میر درد دہلوی (رح) کے چھوٹے بھائی میر اثر کی یہ لاجواب مثنوی نایاب تھی ، بہت کوششوں کے بعد بھی پتہ نہ چلتا تھا ، اُردو کی خوش نصیبی سے انجمن ترقی اُردو کو دستیاب ہو گئی ، اور اب خاص اہتمام کے ساتھ عمدہ ٹائپ میں اعلیٰ درجے کے کاغذ پر ، طبع کی گئی ہے ، جس پر انجمن کے فاضل معتمد جناب مولوی عبدالحق صاحب نے ایک زبردست ناقدانہ مقدمہ تحریر فرما کر اس مثنوی کے خصوصیات اور محاسن کو نمایاں کیا ہے ۔ یہ نادر مثنوی آج تک نایید تھی ، تذکروں میں کہیں کہیں اس کا ذکر آ جاتا ہے ، حضرت میر درد کے اشعار اور کلام کے علاوہ اس میں مصنف کی غزلیں بھی جا بجا آئی ہیں ، جو قابل دید اور نہایت لطیف و پاکیزہ ہیں ۔ یہ مثنوی اُردو میں ایک قابل قدر اضافہ اور انجمن کی طرف سے

المشتہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں)

قدردانان اُردو کی خدمت میں اس سال کا جدید علمی ہدیہ ہے' جلد بھی مضبوط عمدہ اور جدید طرز کی بنوائی گئی ہے - حجم دو سو صفحے سے زائد' قیمت مجلد ڈیڑھ روپیہ—

—— (انتخاب کلام میر) ——

ملک الشعرا میر تقی میر کے نام اور کلام سے کون قدر دان اُردو واقف نہیں ' یہ انہیں کے کلام کا بہترین انتخاب ہے - جو جناب مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اُردو نے کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سارے کلیات کا عطر کھینچ لیا ہے ' یہ انتخاب ملک میں بہت مقبول ہو چکا ہے اور کئی یونیورسٹیوں نے اپنے نصاب تعلیم میں شامل کر لیا ہے —

مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اب دوسری بار انجمن ترقی اُردو پریس نے اپنے مشہور ' نفیس ٹائپ میں چھاپ کر شائع کیا ہے - کاغذ چکنا ' نہایت عمدہ' حجم دو سو صفحات سے زیادہ ' جلد نفیس اور مضبوط - شروع میں فاضل مرتب کا زبردست و دلچسپ مقدمہ ہے' قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے —

—— (قواعد اُردو) ——

یہ کتاب جناب معتمد صاحب انجمن ترقی اُردو کی بیش بہا تالیف ہے ' اور بلا خوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ زبان اُردو کے قواعد پر اب تک اس سے بہتر ' سہل ' جامع کتاب تصنیف نہیں ہوی - ملک میں بیحد پسندیدگی کی نظر سے دیکھی گئی اور نہایت مقبول ہوی - جامعۂ عثمانیہ کے نصاب ایف اے میں داخل ہے - اب جناب مؤلف و مرتب کی بیحد کاوش اور غور سے نظر ثانی ' ترمیم و اضافہ کے بعد دوبارہ چھاپی گئی ہے- شروع میں اُردو زبان اور اس کے ادب پر لا جواب بسیط مقدمہ بجاے خود قابل دید ہے- انجمن نے اپنے پریس میں ' عمدہ ٹائپ میں چھپوائی ہے' کاغذ بہت عمدہ جلد نہایت نفیس اور مضبوط ' قیمت مجلد دو روپے ۸ آنے —

—— (جاپان اور اُس کا تعلیمی نظم و نسق) ——

سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات ممالک محروسۂ سرکار عالی کو جاپان کے تعلیمی نظام کے مطالعے اور تحقیق کے لئے بھیجا تھا - نواب صاحب موصوف نے وہاں رہ کر اس عجیب و غریب ملک کے حالات اور خاص کر تعلیمی نظم و نسق کو

المشتہر ——————————

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

نہایت غور اور تحقیق سے مطالعہ فرمایا - کتاب کے ابتدائی حصے میں جاپان کی تاریخ اور اس کی ترقی کے اسباب پر نہایت دلچسپ اور فاضلانہ بحث کی ہے جو ہمارے اہل وطن کے لئے سبق آموز ہے . اُردو میں یہ پہلی کتاب ہے جو جاپان پر اس طرز میں لکھی گئی ہے — ہر محب وطن کا فرض ہے کہ اس کتاب کو شروع سے آخر تک پڑھے جو علاوہ دلچسپ ہونے کے پر از معلومات بھی ہے - خاص کر ان لوگوں کے لئے اس کا مطالعہ ناگزیر ہے جو ملک کی تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں - حجم ۴۸۲ صفحے - قیمت فی جلد مجلد تین روپے —

—— (سرگذشت حیات (یا) آپ بیتی) ——

اس کتاب میں حیات کے آغاز اور اس کے نشو و نما کی داستان نہایت دلچسپ طرز پر بہت ہی سلیس زبان میں بیان کی گئی ہے — حیات کی ابتدائی حالت سے لیکر اس کا ارتقا انسان تک پہنچایا گیا ہے اور تمام تاریخی مدارج کو اس سہل طریقے سے بتایا ہے کہ ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھ سکے اگرچہ جدید سے جدید علمی تحقیقات بھی اس میں آگئی ہے مگر بیان کی سلاست میں فرق نہیں آیا — یہ کتاب جدید معلومات سے لبریز ہے اور ہر شخص کو اس کا مطالعہ کرنا لازم ہے (حجم ۳۰۰ صفحے) قیمت فی جلد مجلد ۲ روپے ۸ آنے —

—— (تذکرۂ شعرائے اُردو)

مولفۂ میر حسن دہلوی - میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں - اُن کی مثنوی ' بدر منیر ' کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اُردو کی کسی کتاب کو نصیب ہوا ہو- یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے - یہ کتاب بالکل نایاب تھی ' بڑی کوشش سے بہم پہنچا کر طبع کی گئی ہے - میر صاحب کا نام اس تذکرے کی کافی شہادت ہے - اس پر مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے . قیمت فی جلد مجلد ایک روپیہ ۱۴ آنے غیر مجلد ایک روپیہ ۶ آنے —

اشتہار ——————— مشتہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

—— (تاریخ تمدن) ——

سر تامس بکل کی شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے ۔ الف سے (ی) تک تمدن کے ہر مسئلے پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے ۔ اس کے مطالعے سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے ۔ حصۂ اول غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنے ۔ مجلد دو روپے ۔ حصہ دوم مجلد دو روپے —

—— (مقدمات الطبیعات) ——

یہ ترجمہ ہے مکر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ہکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے ۔ اس میں بظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے ۔ قیمت غیر مجلد ۲ روپے ۔ مجلد ۲ روپے ۸ آنے —

—— (القول الاظہر) ——

امام ابن مسکویہ کی معرکۃ الآرا تصنیف (فوزالاصغر) کا اُردو ترجمہ ہے ۔ یہ کتاب فلسفۂ الہیین کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے ۔ قیمت غیر مجلد ۸ آنے ۔ مجلد ایک روپیہ —

—— (القمر) ——

قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوئے ہیں ، ان سب کو جمع کردیا ہے ۔ طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے ۔ قیمت غیر مجلد ۱۰ آنے مجلد ایک روپیہ —

—— (فلسفۂ تعلیم) ——

ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلۂ تعلیم کی آخری کتاب ہے ۔ غور و فکر کا بہترین کارنامہ ۔ والدین و معلم کے لئے چراغ ہدایت ۔ تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے ۔ اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے ۔ قیمت مجلد ۲ روپے غیر مجلد ایک روپیہ ۱۲ آنے —

المشتہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں) —

—— (دریائے لطافت) ——

ہندوستان کے مشہور سخن سنج میر انشاءاللہ خاں کی تصنیف ہے۔ اُردو صرف ونحو اور محاورات اور الفاظ کی پہلی کتاب ہے' اس میں زبان کے متعلق بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں - قیمت مجلد ۲ روپے غیر مجلد ایک روپیہ ۸ آنے —

—— (طبقات الارض) ——

اس فن کی پہلی کتاب ہے - (۳۰۰) صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل قلم بند کئے ہیں - کتاب کے آخر میں انگریزی مصطلحات اور اُن کے مرادفات کی فہرست بھی ملسلک ہے - قیمت غیر مجلد ۲ روپے - مجلد دو روپے ۸ آنے —

—— (مشاہیر یونان و روما) ——

ترجمہ ہے - سیرت نگاری اور انشا پردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سے آج تک مسلم الثبوت چلا آتا ہے - ادیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمے سے فیض حاصل کیا ہے - وطن پرستی اور بے نفسی عزم و جواں مردی کی مثالوں سے اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہے - قیمت جلد اول غیر مجلد ۳ روپے - مجلد ۴ روپے جلد دوم مجلد ۲ روپے ۸ آنے —

—— (اسباق النحو) ——

ملک کے ادیب کامل مولانا حمیدالدین صاحب بی - اے کی تالیف ہے - اختصار کے باوجود عربی صرف و نحو کا ہر ایک ضروری مسئلہ درج ہے - قیمت حصۂ اول غیر مجلد ۶ آنے - حصۂ دوم ۴ آنے —

—— (علم المعیشت) ——

اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس صاحب برنی ایم - اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہے- معیشت پر یہ کتاب جامع و مانع ہے - مبہم و مشکل مسائل کو پانی کردیا ہے' اس کے اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں - اشتراکیت کا باب قابل دید ہے' حجم ۸۸۵ صفحے' قیمت مجلد ۵ روپے آٹھ آنے —

المشتہر ——————

——————

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں) —

—— (تاریخ یونان) ——

یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند کتابوں کا خلاصہ ہے اور زبان کے لحاظ سے سلاست شگفتگی کا نمونہ - اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہے - ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سے گھبراتے ہیں ' اس کتاب کو انتہا درجہ مفید پائیں گے قیمت مجلد ۲ روپے —

—— (رسالۂ نباتات) ——

اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے - علمی اصلاحات سے معرا - طلباے نباتات جس مسئلے کو انگریزی میں نہ سمجھ سکیں وہ اس رسالے میں مطالعہ کریں - قیمت مجلد ایک روپیہ چار آنے —

—— (دیباچۂ صحت) ——

اس کتاب میں مطالبات صحت پر مثلاً (ہوا ' پانی ' غذا لباس ' مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ بحث کی گئی ہے - زبان عام فہم اور پیرایہ مؤثر و دلپذیر ہے ' ملک کی بہترین تصنیف ہے - اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا - حجم ایک ہزار صفحے - قیمت مجلد چار روپے —

—— (نکات الشعراء) ——

یہ اردو کا تذکرہ استادالشعر میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے - اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملیں گے جو عام طور پر معروف نہیں - نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں - مولانا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی صدرالصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک ناقدانہ اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے —

—— (فلسفۂ جذبات) ——

کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے - جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زبان آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہے - معلمان نفسیات

المشتہر —————————— مہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں) —

اسے مفید پائیں گے - قیمت مجلد دو روپے آٹھ آنے - غیر مجلد دو روپے —

—— (وضع اصطلاحات) ——

یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز اور عالم مولوی وحیدالدین 'سلیم' مرحوم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور فکر اور مطالعے کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مؤلف " یہ بالکل نیا موضوع ہے - میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی زبان میں " - اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کئے گئے ہیں - مخالف و موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اس کے عناصر ترکیبی' مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے سابقوں اور لاحقوں - اُردو مصادر اور ان کے مشتقات - غرض سیکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں زبان کے متعلق آ گئی ہیں - اُردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں- لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کردی ہیں- اور ہمارے حوصلے بلند کردیے ہیں - اس سے پہلے ہم اُردو کو علمی زبان کہتے ہوے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعوی کرتے ہوے ہچکچاتے تھے - مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا - اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے - تعداد صفحات (۳۰۵) قیمت مجلد تین روپے ۱۲ آنے —

—— (محاسن کلام غالب) ——

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم کا معرکۃ الآرا مضمون ہے - اُردو زبان میں یہ پہلی تصریر ہے - جو اس شان کی لکھی گئی ہے - یہ مضمون اُردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا - صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے - قیمت مجلد ایک روپیہ

—— (ملل قدیمہ) ——

ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہے - اس میں بعض قدیم اقوام' سلطنت کلدانی' آشوری' بابل - بنی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت - عقائد - او صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھ دیے ہیں- اُردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ھیں) —

سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ھوسکیں اس لئے انجمن نے اسے خاص طور پر طبع کرایا ھے - حالات کی وضاحت کے لئے جا بجا تصویریں دی گئی ھیں - صفحے ۲۸۴ قیمت مجلد ایک روپیہ بارہ آنے —

—— (بجلی کے کرشمے) ——

یہ کتاب مولوی محمد معشوق حسین خاں صاحب بی ' اے - نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعے کے بعد لکھی ھے - برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ھے اور سہل زبان میں لکھی گئی ھے - ھمارے بہت سے ہم وطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ھے ' کہاں سے آتی ھے ' کیا کام آسکتی ھے - یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ھے - اور لڑکوں لڑکیوں کے لئے بھی مفید ھے - قیمت ایک روپیہ بارہ آ نے —

—— (البیرونی) ——

مصنفۂ مولوی سید حسن برنی صاحب بی اے - اس کتاب میں علامۂ ابوریحان بیرونی کے سوانحی حالات ھیں اور ان کی مشہور و معروف تصنیف کتاب الہند اور دیگر تصانیف پر تفصیل کے ساتھہ تبصرہ کیا گیا ھے - یہ کتاب انجمن ترقی اُردو میں باقی نہیں رھی تھی اب دوسرا ایڈیشن مصنف کی نظر ثانی اور اضافۂ مضامین کے ساتھہ نہایت عمدہ کاغذ پر چھپ کے تیار ھوا ھے - قیمت فی جلد مجلد دو روپے - غیر مجلد تیرہ روپیہ —

—— (تاریخ ھند) ——

ھندوستان کی یہ تاریخ مولوی سید ھاشمی صاحب فرید آبادی نے محکمۂ تعلیمات سرکار نظام کی فرمایش پر لکھی ھے اور مڈل اسکولوں میں پڑھائی جاتی ھے - اس وقت تک کوئی اور مختصر تاریخ ھند اس نقطۂ نظر اور ایسی خوبی سے نہیں لکھی گئی ھے - تعلیمی حلقوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اسے بہت پسند کیا ھے - چھوٹے سائز کے ۲۸۴ صفحے - قیمت ایک روپیہ ایک آنہ —

المشتہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن

(نوٹ) کل قیمتیں سکہ انگریزی میں ہیں —

—— (لغت اصطلاحات علمیہ) ——

جملہ اہم علوم کی اصطلاحوں کا ترجمہ ، جس میں حسب ذیل علوم داخل ہیں:

Astronomy, Botany, Economics, History, (Constitutional, Greece England, etc,) Logic, Algebra, Conics, Solid Geometry, Trigonometry, Differential Equations, Statics, Metaphysics, Psychology, Physics, Political Science, Archæology, Biology –

کئی سال کی مسلسل محنت اور مختلف ماہرین لسان کی کاوش و کوشش کا نتیجہ ہے - مصنفین و مترجمین کے لئے نا گزیر ہے —

حجم ۵۳۸ صفحے - قیمت مجلد چھ روپے —

یہ بیش بہا کتابیں بھی انجمن ترقی اُردو اورنگ‌آباد دکن سے مل سکتی ہیں

—— (دیوان غالب جدید و قدیم) ——

یہ وہ نایاب کلام ہے جس کی اشاعت کا اہل ملک کو بے حد انتظار تھا - اس میں مرزا غالب کا قدیم و جدید تمام کلام موجود ہے - مرزا صاحب کا قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تھی - یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ہاتھ آ گیا اور ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپ کر شائع ہوا ہے - مع مقدمۂ ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری مرحوم مجلد ۵ روپے غیر مجلد ۴ روپے (بلا مقدمہ مجلد ۳ روپے غیر مجلد دو روپے ۸ آنے) —

—— (حقیقت اسلام) ——

یہ کتاب جناب نواب سر امین جنگ بہادر کے، سی، آئی، ای، سی، ایس،

المشتہر ——————————————————————

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

آئی، ایم، اے، بی، ایل، ایف، آر، ایس، چیف سکریٹری گورمنٹ نظام و صدرالمہام پیشی کی ہے نظیر تصنیف نوٹس آن اسلام کا با محاورہ اور سلیس ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے نہایت خوبی کے ساتھ موجودہ خیالات سائنس سے اسلام کی تطبیق اور اس کی صداقت کا بیان کیا ہے - فاضل مصنف نے ان تمام مشکل مسائل کی حقیقت کو جن میں اکثر تعلیم یافتہ جوانوں یا غیر مسلموں کو شبہات واقع ہوتے ہیں، زمانہ حال کے ترقی یافتہ خیالات کی روشنی میں نہایت دلاویز طریقے اور حکیمانہ استدلال سے بیان کیا ہے جس سے مصنف ممدوح کے وسیع مطالعہ، فلسفیانہ طبیعت اور غور و خوض کا پتہ ملتا ہے —

کتاب بہت عمدہ کاغذ پر چھپی ہے - مجلد بارہ آنے میں مل سکتی ہے —

——(تاریخ زوال روما)——

یہ گبن کی مشہور تاریخ کے ابتدائی (۷) ابواب کا ترجمہ ہے - اصل کتاب اپنی خوبیوں کے اعتبار سے محتاج تعریف نہیں - قیمت فی جلد غیر مجلد سوا روپیہ —

——(تاریخ عرب)——

مصنفۂ موسیو سدیو فرانسیسی - عربوں کے متعلق یہ کتاب ان تمام تاریخوں کا نچوڑ ہے جو یورپ و ایشیا کے کتب خانوں کی زینت ہیں مسلمانوں کی ترقیوں او عربوں کے کمالات کا آئینہ ہے - ساتھ ہی یورپ کے کذب وافترا کا بہترین جواب - قیمت مجلد چرمی ۷ روپے ۸ آنے —

——(یادگار غالب)——

یعنی مرزا اسد اللہ غالب دہلوی کے مفصل حالات زندگی اور ان کے السلام نظم و نثر، اُردو فارسی پر تفصیلی ریویو اور انتخاب - مولفۂ شمس العلما مولانا الطاف حسین صاحب 'حالی' مرحوم - قیمت مجلد ۳ روپے —

——(شعر و شاعری)——

شمس العلما خواجہ الطاف حسین 'حالی' مرحوم کے اُردو دیوان کا لاجواب مقدمہ جس میں شعر و شاعری پر نقادانہ بحث کی گئی ہے - تنقیدی حیثیت سے اُردو زبان میں اب تک ایسا مضمون نہیں لکھا گیا ہے - قیمت مجلد ۲ روپے، غیر مجلد سوا روپیہ —

المشـــــــــــــــتہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد دکن

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

—(موازنۂ انیس و دبیر)—

میر انیس کی شاعری پر تنصیلی ریویو اور میر انیس و مرزا دبیر کا موازنہ - مولفۂ مولانا شبلی نعمانی' قیمت فی جلد مجلد چار روپے - غیر مجلد تین روپے —

—(وکرم اُروسی)—

کالیداس کے مشہور ناٹک کا اُردو ترجمہ مع ایک بسیط مقدمے کے جس میں ہندو ڈرامے کی تاریخ اور نوعیت پر مفصل بحث کی گئی ہے مرتبۂ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی - اے مرحوم - قیمت مجلد دو روپے - غیر مجلد ۱۲/-

—(خطوط شبلی)—

علامۂ شبلی مرحوم کے یہ وہ لاجواب اور نادر خطوط ہیں جو موصوف نے بمبئی کی مشہور تعلیم یافتہ خواتین عطیہ بیگم صاحبہ فیضی اور زہرا بیگم صاحبہ فیضی کے نام وقتاً فوقتاً کمال اخلاص و محبت اور انداز خاص کے ساتھ لکھے تھے - یہ جوہر پارے اردو میں مولانا کے کمال انشا پردازی کی نایاب یادگار ہیں - طرز نگارش اس قدر لطیف اور پاکیزہ ہے کہ شروع کرکے ختم کئے بغیر کتاب کو چھوڑنا دشوار ہے - شروع میں جناب مولوی عبدالحق صاحب' بی - اے معتمد انجمن ترقی اردو کا ایک نہایت لطیف و سخن گسترانہ مقدمہ بھی شامل ہے' جس نے ان خطوط کے جذبات اخلاص و محبت اور نکات ادبی کو بے نقاب کردیا ہے - مرتبۂ مولوی محمد امین صاحب مارہروی و جناب قیصر بھوپالی - قیمت ایک روپیہ —

—(دیوان غالب مطبوعۂ جرمنی)—

غالب کے کلام کی قدر اور جو مانگ ہے ہر صاحب ذوق جانتا ہے' ان کے دیوان کا ایک اڈیشن نفاست پسند طبائع کے لئے جرمنی کے مشہور کاویانی پریس میں جامعہ ملیہ نے چھپوایا تھا جو ہاتھوں ہاتھ نکل گیا - دوسری بار پھر اسی اہتمام و نفاست سے طبع ہوا ہے - ٹائپ' کاغذ' چھپائی' جلد' سائز ہر چیز دیدہ زیب و دلفریب ہے - قیمت چار روپیہ —

—(محشر خیال)—

یہ سید سجاد انصاری مرحوم وکیل بارہ بنکی کے چند دلکش ادبی و اصلاحی

(نوٹ) کل قیمتیں سکہ انگریزی میں ہیں --

مضامین اور نظموں کا مجموعہ ہے جو شرکت ادبیہ دہلی نے خاص اہتمام سے چھپوایا ہے - سجاد انصاری صاحب خوش فکر و خوش گفتار ادیب تھے ' ان کے مضامین میں خاص قدرت و ادبیت اور کلام میں خاص کیف اور بلند خیالی و جذبات نگاری ہوتی ہے - یہ مجموعہ مرحوم کی جوانمرگی کی یادگار ہے ' جس کو سید منظور حسین صاحب نے مرتب کیا ہے - لکھائی چھپائی بہت پاکیزہ ' سائز مختصر ' جلد نہایت نفیس ' اوپر سنہری حروف میں کتاب کا نام بھی لکھا ہے - قیمت دوروپیہ آٹھ آنہ —

—— (چمن) ——

یہ نہایت چھوٹا سا حسین و جمیل مجموعہ اساتذہ اردو کے پاکیزہ کلام کا انتخاب ہے کارڈ سائز پر نہایت اعلیٰ طباعت و کتابت کے ساتھ عید کے موقعہ پر دوست احباب کو پیش کرنے کے لئے بہترین ادبی تحفہ ہے - قیمت ۵ آنے —

—— (دیوان حالی) ——

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی مرحوم کے قطعات غزلیات ' قصیدے ' مرثیے ' ترکیب بند ' رباعیاں ' تاریخیں اور متفرق اشعار قیمت تیرہ روپیہ —

—— (متریکولیشن کا نصاب اردو) ——

مجلس نصاب اردو جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن کی ہدایت کے مطابق مولانا مولوی عبدالحق صاحب بی - اے (علیگ) آنریری سکرٹری انجمن ترقی اردو نے مرتب کیا - قیمت دو روپے —

—— (معراج العاشقین) ——

حضرت مخدوم ابوالفتاح صدرالدین سید محمد حسینی گیسو دراز بندہ نواز (رح) کی تصنیف ہے - اس میں حضرت کے بعض مواعظ و ارشادات قدیم اردو یعنی دکنی اردو میں لکھے ہیں - مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو کی تصحیح و ترتیب اور مقدمے کے ساتھ چھپی ہے - قیمت ۶ آنے —

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

——(وقائع عالمگیر)——

حضرت اورنگ زیب سلطان ہند عالمگیر کے وقائع زندگی جو خود ان کے مکاتیب اور مستند مورخین کی روایات پر مبنی ہیں - اور جن سے ان کے حقیقی کیریکٹر رواداری' عدل جوئی اور تشریع مذہبی کا کافی ثبوت ملتا ہے - مرتبہ چودھری نبی احمد صاحب سندیلوی مجلد ۲ روپے —

——(افغان بادشاہ)——

اعلیٰ حضرت غازی امان اللہ خاں کی عظیم الشان چشم دید داستان حیات اس کتاب لاجواب کو محمد حسین خاں بی - اے (علیگ) ڈائرکٹر جنرل پبلک انسٹرکشن افغانستان نے بڑی عرق ریزی سے مرتب کیا ہے' شائقین سیر و تاریخ کے لئے خصوصاً اور کافۂ مسلمین کو عموماً لازم ہے کہ اس کتاب کو غور سے مطالعہ فرماکر استفادہ کریں - قیمت فی جلد دو روپے آٹھ آنے —

——(پریم پچیسی)——

ملک کے مشہور انشا پرداز منشی پریم چند صاحب کے نہایت دلچسپ افسانوں کا مجموعہ - حصۂ اول ڈیڑھ روپیہ حصۂ دوم ڈیڑھ روپیہ —

——(عروس ادب)——

مولوی سید ناظرالحسن صاحب ہوش بلگرامی کے اخلاقی ادبی تاریخی اورسیاسی مضامین کا مجموعہ - حجم ۲۲۴ صفحہ - سایز ۲۹ × ۲۰ کاغذ عمدہ سفید ' لکھائی چھپائی بہت خوشنما - قیمت فی جلد دو روپے —

——(خیالات اروِنگ)——

مشہور امریکن مصنف واشنگٹن اروِنگ کے بعض دلچسپ مضامین کا با محاورہ اردو ترجمہ از مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا وکیل غازی آباد ضلع میرٹھ قیمت ۸ آنے —

المشـــــــــــــــــــــــــتہر

انجمن ترقی اُردو اورنگ‌آباد (دکن)

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

——(سیر المصنفین)——

جس میں نثاران اردو کے حالات زندگی اور اردو زبان کی عہد بعہد کی ترقی و تبدیلی کا ذکر کیا گیا ہے مصنفہ مولوی محمد یحییٰ صاحب تنہا بی - اے (علیگ) قیمت دو روپے —

——(مصنوعی بیوی)——

مشہور ہر دلعزیز مغربی ناولسٹ آر' ایچ' بول کے ایک نہایت دلچسپ انگریزی ناول "ہز موک بی لیو وائف" کا اردو ترجمہ از مولوی عباس حسین صاحب 'لطفی' قیمت ۱۲ آنے —

——(خواتین انگورہ)——

مولفۂ ملا توحیدی صاحب - ترکی کی مشہور و معروف خواتین کے کارنامے - اس کتاب سے آپ کو معلوم ہوگا کہ موجودہ جد و جہد میں ترکی خواتون نے کس جوش اور قابلیت سے حصہ لیا ہے - قیمت ۱ روپیہ —

——(جہاں آرا بیگم)——

جہاں آرا بیگم بنت شاہجہان کی سوانح عمری جو نہایت مستند تاریخوں سے لکھی گئی ہے - مولفۂ مولوی ضیاالدین احمد برنی صاحب بی اے قیمت ۸ آنے —

(دارالمصنفین اعظم گڑہ)

تاریخ فقہ	۴ روپیہ	شعرالعجم مکمل ۵ حصے	۱۳ روپیہ
خلفاے راشدین	۳ روپیہ ۸ آنہ	الکلام	۲ روپیہ
مہاجرین	۴ روپیہ	اسوۂ صحابہ مکمل دو حصے	۸ روپیہ
سیرۃالنبی حصہ اول	۴ روپیہ	انقلاب الامم	۲ روپیہ
سیرۃالنبی حصہ دوم	۳ روپیہ ۸ آنہ	مکالمات برکلے	ڈیڑہ روپیہ
		سیرۃالنبی حصہ سوم	۲ روپیہ

المشـــــــــــــــــــــــتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

(نوٹ) کل قیمتیں سکہ انگریزی میں ہیں —

سیرالصحابیات	۲ روپیہ ۴ آنہ
روح الاجتماع	۲ روپیہ
ابن رشد	۲ روپیہ
گل رعنا	۵ روپیہ
سیرالانصار حصہ اول	۳ روپیہ ۸ آنہ
سیرالانصار حصہ دوم	۳ روپیہ ۸ آنہ
شعرالہند حصہ اول	۴ روپیہ
شعرالہند حصہ دوم	۴ روپیہ

(جامعۂ ملیہ دہلی)

تاریخ نجد	۱ روپیہ
عربوں کا تمدن	۲ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ فلسفۂ اسلام	۲ روپیہ
تاریخ الدولتین	۲ روپیہ
سیرۃ الرسول	ڈیڑھ روپیہ
خلافت راشدہ	۲ روپیہ
خلافت بنی امیہ	ڈیڑھ روپیہ
خلافت عباسیہ	۲ روپیہ
خلافت عباسیۂ بغداد	۲ روپیہ
خلافت عباسیہ مصر	۲ روپیہ
مبادی معاشیات	۱ روپیہ
دنیا کے بسنے والے	۴ آنہ
قواعد عربی	۲ روپیہ
اسلامی تہذیب و قومی تعلیم	۴ آنہ
ترکوں کی کہانیاں	۴ آنہ

تاریخ ہند قدیم	۱ روپیہ

(الناظر پریس - لکھنؤ)

فسانہ جوش	۱ روپیہ
مجموعہ قصائد مومن	۱۲ آنہ
گوتم بدھ	۴ آنہ
مسالک النظر فی نبوت	
سعد البشر	۴ آنہ
حکایۃ لیلیٰ مجنوں	۴ آنہ
مقتل فریب مغربی معمل خانے	۴ آنہ
وکرم اروسی	۱ روپیہ ۸ آنہ
فلسفیانہ مضامین عبدالماجد صاحب	۱ روپیہ ۸ آنہ
تاریخ عرب مجلد	۷ روپیہ ۸ آنہ
موازنہ انیس و دبیر	۳ روپیہ
مقدمہ شعر و شاعری	۱ روپیہ ۴ آنہ
اصول الفسخ	۹ آنہ
مسلمانان اندلس	۱ روپیہ
اسرار رنگون	۱ روپیہ
خوان دعوت	۱ روپیہ
مصنوعی شوہر	۲ آنہ
الاحسان	۸ آنہ
ارض نہرین	۴ آنہ
حیات نظامی	۴ آنہ
خطاب	۴ آنہ

المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن

(نوٹ) کل قیمتیں سکۂ انگریزی میں ہیں —

میلاد نبوی	۴ آنہ	انتخاب زرین مجلد	
فریاد امت	۳ آنہ	قصائد ذوق	۲ روپیہ
(نظامی پریس بدایوں)		مراثی انیس جلد اول مجلد	۱۰ روپیہ
قاموس المشاہیر جلد اول	۹ روپیہ	مراثی انیس جلد دوم قسم دوم	۸ روپیہ
قاموس المشاہیر جلد دوم	۹ روپیہ	(تصانیف نورالہی ومحمد عمر صاحبان)	
نکات غالب مجلد	۱ روپیہ	موجودہ لندن کے اسرار	۱ روپیہ ۴ آنہ
دیوان غالب مشرح مجلد	۲ روپیہ ۸ آنہ	ناٹک ساگر (یعنی دنیاے ڈراماکی تاریخ)	
دیوان جان صاحب مجلد	ڈیڑھ روپیہ	مجلد ۳ روپیہ غیر مجلد	۲ روپیہ ۸ آنے
دیوان درد	۱ روپیہ ۴ آنہ	تین تو پہاں	۸ آنہ
دیوان غالب (لائبریری ایڈیشن) ڈیڑھ روپیہ		ظفر کی موت	۴ آنہ
خطوط سر سید قسم اول	۳ روپیہ	قزاق	۸ آنہ
خطوط سر سید قسم دوم	۲ روپیہ	بگڑے دل	۸ آنہ
لیکھو گرافی مجلد	۱ روپیہ ۸ آنہ		



المشتہر

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن

بسم اللہ

تاریخ

تاریخ و تراجم اور آثار و عتائق کا سہ ماہی رسالہ

(ایڈیٹر)

[حکیم سید شمس اللہ قادری]

(۱) رسالے کے حسب ذیل مقاصد ہوں گے - (۱) تاریخ و تراجم اور آثار و عتائق پر تحقیقی مضامین شائع کرنا (۲) تاریخ کے تاریک پہلو پر روشنی ڈالنا - (۳) اسلاف کے آثار و عتائق سے اہل ملک کو واقف کرانا (۴) تبصروں کے ذریعے بلند پایہ تصنیفات سے اردو خواں طبقے کو روشناس کرانا —

(۲) اُن مباحث کی جانب زیادہ توجہ کی جائیگی جن کا تعلق اسلام اور ہندوستان و دکن سے ہو گا —

(۳) غیر زبانوں سے بہترین مضامین کے ترجمے یا ان کے اقتباس بھی شائع کئے جائیں گے —

(۴) رسالہ سال میں چار بار ' جنوری - اپریل - جولائی - اور اکتوبر میں شائع ہوگا۔

(۵) قیمت سالانہ پانچ روپے علاوہ محصول ڈاک —

مضامین اور خریداری کی درخواستیں ایڈیٹر کے نام ذیل کے پتے پر آنا چاہئیے۔

حکیم سید شمس اللہ قادری - ایڈیٹر رسالہ تاریخ - کوٹلہ اکبر جاہ - حیدرآباد دکن

رسالۂ اُردو کے خریداروں کے ساتھہ خاص رعایت

رسالۂ اُردو کے خریداروں کو انجمن ترقی اردو کی شائع کی ہوی کتابیں فی روپیہ چار آنے کمی قیمت کے ساتھہ دی جائیں گی - امید ھے کہ ناظرین اس رعایت سے فائدہ اٹھائیں گے -

دیگر مقامات کی کتابیں جو بطور ایجنسی انجمن میں فروخت ھوتی ھیں اُن کی قیمتوں میں کوئی کمی نہیں کی جا سکتی -

---

انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد (دکن)

اپنے ان مہربان معاونین کی فہرست مرتب کر رھی ھے جو اس بات کی عام اجازت دیدیں کہ آئندہ جو کتاب انجمن سے شائع ھو ، وہ بغیر ان سے دوبارہ دریافت کئے ، تیار ھوتے ھی ان کی خدمت میں بذریعہ وی پی روانہ کردی جایا کرے - امید ھے کہ قدر دانان زبان اردو ھمیں عام طور پر اس قسم کی اجازت دیدیں گے کہ ان کے اسماے گرامی اس فہرست میں درج کر لئے جائیں اور انجمن سے جو نئی کتاب شائع ھو ، فوراً بغیر دریافت کئے روانہ کر دی جایا کرے - یہ انجمن کی بہت بڑی مدد ھوگی اور آئندہ اسے نئی نئی کتابوں کے طبع کرنے میں بڑی سہولت ھوجاے گی - امید ھے کہ ھمارے وہ معاونین جو اردو کی ترقی کے دل سے بہی خواہ ھیں ، اس اعانت کے دینے میں دریغ نہ فرمائیں گے -

ان معاونین کی خدمت میں کل کتابیں جو آئندہ شائع ھوں گی وقتاً فوقتاً چوتھائی قیمت کم کر کے روانہ ھوں گی -